PosTal Read.No.LW/NP/63/2003to2005

May - 2005

Vol. No. 4 - Issue No.13

Fornightly

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

R.N.I. No.U.P. URD/2001/6071

(0522)2740151 ہفت روزہ مہمان خانہ

2741272 دفتر اہتمام

2741221 (فیکس) رابطہ ادب سوسائٹی

2741231 (فیکس) شعبہ خبر رسانی

Phone : 0522-2616731 (R)

Mobile : 09415786548

Mohd. Akram Jewellers

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثناء جویلرس

Sana Jewellers

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gehna Palace

Whenever You See Jewellery,
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 2226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop : 9415002532
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow - 18

---------- (پروپرائٹر : ولی اللہ) ----------

ولی اللہ جویلرس

WALI ULLAH JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver
& Diamond Jewellery

Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018

Mob. : 9415090544, Shop : 2627446, Res. : 2254786

Editor : Shamsul Haq Nadwi Office Ph. L 2741235(Ext.)18 Printed & Published by Athar Husain
on behalf of Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat,Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کا ۴۲ واں سال

جلد نمبر ۴۲ | ۲۵ رمئی ۲۰۰۵ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ | شمارہ نمبر ۱۳

زیر سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی غازیپوی

زر تعاون
سالانہ ۱۵۰/- روپے
فی شمارہ ۷/- روپے
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۱۳۵/-

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Post Box No. 93, Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-226007
فون (دفتر) 18 (Ext) 2740151 مہمان خانہ: 2787250

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

مضامین و مندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے براہ راست کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر و پبلشر الحاج سید حسین نے پارکیا فیسٹ پرنٹنگ پریس، نیگور روڈ لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارہ میں

رئیس التحریر کی میز سے
قرآن پاک کی بے حرمتی کا شرمناک واقعہ — ایڈیٹر — ۲

اداریہ
دینی تعلیمی کانفرنس — حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۳

کلید مضمون
محی السنہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی — ۴

ماضی کے دریچے سے
ترکی میں دو دن — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ — ۶

تعزیتی بیان
حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ — حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء — ۹
جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب — ——— — ۱۰

اجلاس رائے بریلی
خطبۂ صدارت — صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش — ۱۱
خطبۂ افتتاحیہ — حضرت معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء — ۱۴

تعمیر و ترقی
ندوہ میں اسپتال کا سنگ بنیاد — جناب مولانا سید تمر حسنی — ۱۷

عالم اسلام
فلسطین: ماضی و حال کے آئینہ میں — سید وثیق حسن ندوی — ۱۸

شعر و سخن
مناجات — مومن خاں مومن — ۲۳

فکری غذا
تصنیفات حضرت ناظم صاحب — ادارہ — ۲۴
و حضرت معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء

یاد رفتگاں
جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ مرحوم — امین الدین شجاع الدین — ۲۵

وفیات
جناب اسعد اسرائیلی کی وفات — جناب مولانا محمد برہان الدین سنبھلی — ۲۸

روداد چمن
محی السنہ کی وفات پر تعزیتی جلسہ — محمد خالد ندوی سیوانی — ۳۱

آخری صفحہ
زندگی بھی دلکش و پیاری اور موت بھی حسین و قابل رشک — امین الدین شجاع الدین — ۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ زر تعاون ختم ہو گیا ہے، لہٰذا ازراہ کرم زر تعاون ارسال کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں

چراغ راہ

وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنے مسائل دوسروں کے ذریعہ حل کرنے کی عادی ہو

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
جنرل سکریٹری (اوّل)
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۲۲، ۲۳ر مارچ ۱۹۷۵ء کو تحفظ مسلم پرسنل لا کانفرنس میں اجلاس عام سے بانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایمان افروز خطاب کا ایک اہم اقتباس۔

مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہندوستان گیر مقبول ترین تحریک اور ہندوستان کے مختلف حلقوں میں بورڈ کی مثالی اور عظیم الشان کانفرنسوں کا، جس میں ملی اتحاد کا بے نظیر مظاہرہ ہوتا رہا، ہر طرف دباؤ محسوس کیا گیا اور حکومت کے ذمہ داروں نے کہنا شروع کر دیا کہ حکومت مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی اور تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی ہے۔ لیکن جب تک وہ قوانین اور سرکلر ختم نہیں کر دیئے جائیں جو مسلم پرسنل لا کو متاثر کرتے ہیں، حکومت کے ذمہ داروں کے ان اعلانات پر کوئی انسان کس طرح مطمئن ہو سکتا ہے، اگر صرف بیانوں ہی سے مطمئن ہونے کی بات ہے تو ہندوستان کے دور آزادی میں مسلمانوں کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق حکومت کے ذمہ داروں نے اپنے بیانات سے مطمئن کرنے کی کوشش نہیں، لیکن یہ بھی دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کے تقریباً تمام مسائل جس جگہ تھے آج بھی اسی جگہ ہیں ان میں کوئی خوش گوار پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرات!

اس موقع پہ جب کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہیں میرا فرض ہے کہ میں خود ان کی ذمہ داری کا انھیں احساس دلاؤں، وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنے مسائل کو دوسروں کے سہارے بالخصوص اقتدار اور حکومت کے ذریعہ حل کرنے کی عادی ہو چکی ہو۔ کسی مقصد کے حصول اور کسی منزل تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے مقصد و منزل کا علم، اس کا تعین اور اس پر یقین ضروری ہے اور پھر مقصد کے حصول کے لیے لگن اور جذبۂ صادق بنیادی شرط ہے۔

امین الدین شجاع الدین

قرآن مجید کی بے حرمتی کا شرمناک واقعہ

صاحبِ نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک!

ماہ مئی ۲۰۰۵ء کے پہلے عشرہ میں نیوز ویک میں امریکہ کے زیر انتظام جزیرے گوانتاموبے میں امریکی تفتیش کاروں کے ہاتھوں قرآن مجید کی بے حرمتی کے واقعہ کی جو صبر شکن و اعصاب شکن خبر شائع ہوئی وہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ گوانتاموبے کے قیدیوں کو ذہنی اذیت پہنچانے کی حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ دُنیا کی دوسری سب سے بڑی آبادی کو خوف و ذلت کی نفسیات میں مبتلا کرنے، ان کے اعصاب کو توڑ کر رکھ دینے اور ان کے پیمانہ صبر کو لبریز کر کے امت مسلمہ کو اکسانے کی حرکت ہے۔ مسلمان نہ صرف قرآن کو اپنی زندگیوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں بلکہ اس کتاب مقدس کے لئے اپنی زندگیوں کو بھی قربان کر دیتے ہیں اور پاکستان اور افغانستان تو دو ممالک ہیں جہاں توہین رسول اور توہین قرآن کے جرم میں سزائے موت دی جاتی ہے اس لحاظ سے مسئلہ نہایت نازک اور حساس ہے، مسلمان قرآن پاک کی بے حرمتی کے اس شرمناک واقعہ پر احتجاج کر رہے ہیں، کل اسی احتجاج کو دہشت گردی کا نام دے دیا جائے گا۔ امریکہ بہادر قتل کر کے بھی امن کا علمبردار بنا رہے گا اور مسلمان اس پر آہ'' بھی کرے تو دہشت گرد قرار پائے گا۔ قلب زمانہ کی یہ کیسی قساوت ہے! یہ کیسی وضع فطرت اور کیسا طرز مزاج ہے؟؟؟

ابوغریب جیل کے قیدیوں کے ساتھ امریکی فوجیوں نے جو شرمناک رویہ اختیار کیا تھا، تاریخ انسانی کو اس کا تذکرہ کرنے سے بھی گھن آئے گی۔ اخلاق باختگی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے گئے تھے۔ غیر جانبدار مہذب انسانی دنیا کے دلوں کا زخم ابھی ہرا ہی تھا کہ گوانتاموبے کی فوجی جیل میں مقید ۵۰۰ سے زائد مسلمانوں کو القائدہ اور طالبان سے وابستگی کے شبہ پر مختلف انداز کی اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ جسمانی، اعصابی، روحانی اور اخلاقی اذیتیں!! جن واقعات کو کسی شریف کے کان سننا بھی پسند نہ کریں!!

امریکی فوجیوں کے ذریعہ قرآن مجید کی بے حرمتی کا واقعہ ان کی اخلاقی پستی کا مظہر ہے تو دوسری طرف ان کی بوکھلاہٹ اور شکست خوردہ ذہنیت کا عکاس ہے کہ ترکش کا آخری تیر بھی استعمال کر لیا اور صرف مسلمانوں کی نہیں خدا کی غیرت کو بھی للکار دیا۔ الامان والحفیظ۔

نیوز ویک نے اپنی ایک دوسری اشاعت میں اس خبر کی لیپا پوتی کرنے کی کوشش کی ہے جو اس کی مجرمانہ نفسیات کی عکاسی کرتی ہے۔ جریدہ کی یہ مبہم لیپا پوتی ظاہر کرتی ہے کہ سپر پاور کے دباؤ سے کوئی بھی آزاد نہیں۔ ایک شتر بے مہار نشہ کی قوت میں سرشار اور ایک فیل مدمست اپنے انجام سے بے خبر دنیا کو روند دینا چاہتا ہے۔ حکومت ہند اس حساس و نازک مسئلہ پر مسلمانان ہند اور انصاف پسند برادران وطن کو تنہا نہ چھوڑے۔ اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن اور دیگر اداروں سے آزاد تحقیقات کا مطالبہ کرے۔

ممکن ہے یہ سب کچھ ہو مگر امریکہ نے اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے خلاف کب کس کی بات پر کان دھرا ہے۔ وہ تو بس ایک ہی اصول سے آشنا ہے Might is right جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے ظالمانہ اصول سے۔۔۔۔ سقوط بغداد اور سقوط کابل کی نظیریں ہمارے سامنے ہیں۔

منظر نامہ انار بکم الاعلیٰ کا ہے یا اس حاکم ابرہہ کا ہے جس کو نعوذ باللہ کعبہ کی تباہی کی فکر تھی مگر دنیا نے دیکھا کہ وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گیا اور وہ بھی سبز و زرد رنگ کے ان چھوٹے چھوٹے پرندوں کی چونچ اور پنجوں کی کنکریوں سے، جنھوں نے بندوق کی گولیوں کا کام کیا تھا۔ امریکہ اس زعم میں نہ رہے کہ وہ سپر پاور ہے اور اب اس کا کوئی حریف نہیں۔ کارخانہ قدرت کو چلانے والے علیم و خبیر رب کی سنت مہلت دینے کی ہے لیکن جب وہ اکام کسنے اور ظالم کو شکنجہ میں لینے کا فیصلہ کرتا ہے تو کل کا نشہ قوت آج کا نشان عبرت بن جاتا ہے، خدا کے غضب کو بھڑکانے کی ایک آندھی چل رہی ہے لیکن رب رحمٰن و رحیم کی رحمت کی گھٹا بھی مسلمانوں کی بداعمالیوں اور قرآن کو طاق نسیاں بنا دینے کی وجہ سے تھمی ہوئی اور رکی ہوئی ہے۔ خدا کے غضب کو بھڑکانے والوں کے مقابلہ میں اس کی رحمت کی گھٹاؤں کا سبب بننے والوں کی ذمہ داریاں عظیم تر ہیں کہ وہ رب العالمین کے بندے اور رحمۃ للعالمین کے پیروکار ہیں۔ رہا قرآن پاک کی بے حرمتی کا واقعہ تو امریکہ بہادر یہ نہ بھولے کہ

تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے

صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی تعلیمی کانفرنس

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

مراد آباد میں دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے مغربی اضلاع کی کانفرنس ۴ر اپریل ۲۰۰۵ء میں منعقد ہوئی جس کی صدارت جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے فرمائی۔ اس موقع پر مولانا کا خطبہ صدارت اور سید حامد صاحب کا درمندانہ خطاب ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح مشرقی اضلاع کی کانفرنس ۸ر مئی ۲۰۰۵ء کو رائے بریلی میں منعقد ہوئی، ان دونوں کانفرنسوں میں لوگوں نے جوش و خروش سے حصہ لیا، حاضرین کی تعداد توقع سے زیادہ تھی اخباری اندازہ کے اعداد و شمار کے لحاظ سے تو بہت کچھ مبالغہ کی گنجائش ہے لیکن محتاط سے محتاط اندازہ کے مطابق پچیس اور تیس ہزار سے کم مسلمان نہیں تھے، جوان جلسوں میں انہماک، خاموشی اور دلچسپی سے حصہ لے رہے تھے، جیسے ان سروں پر پرند بیٹھے ہیں، جو ذرا سی حرکت سے اڑ جائیں گے، ان کانفرنسوں نے دینی تعلیمی کونسل کی تحریک اُٹھانے والے قاضی عدیل عباسی صاحب مرحوم کے اخلاص کی تصویر پیش کر دی، اگر اخلاص کو الفاظ میں بیان کیا جا سکتا اور کسی مشین سے اس کی تصویر نکالی جا سکتی ہو تو یہ کانفرنسیں اپنے بانی کے اخلاص و صداقت کا آئینہ تھیں، جب کام صحیح نیت سے شروع کیا جائے اور اللہ کے بندوں کی بہبود مقصود ہو تو پھر اسباب بھی خود پیدا ہو جاتے ہیں اور اللہ اپنی غیبی طاقت سے مدد فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو جناب خضر کی اس جد و جہد پر حیرت ہوئی کہ ایک ایسے گاؤں میں جہاں کے لوگ سیدھے منہ بات کرنے کو تیار نہ تھے دوسرے الفاظ میں یہ کہ کوئی معمولی سی ضیافت طلب کرنے پر بھی پیش کرنے سے قاصر تھے، اس سرزمین پر ایک گری ہوئی دیوار اُٹھانے لگے کہ اس کی تہہ میں یتیموں کا مال ہے جس کو زمانے کی دست برد سے بچانا ہے، اسی طرح دین کی صحیح خدمت کے لئے کوئی اُٹھتا ہے اور وراثت نبوی، دعوت و ارشاد، تعلیم و تزکیہ کی تخم ریزی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ قاضی عدیل عباسی صاحب مرحوم کی آواز پر اللہ کے ایک مقبول بندہ نے لبیک کہا، سچے دل اور صحیح نیت سے شروع کئے ہوئے کام کو ایک غیبی مدد ملی

۳۱/۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء کو بستی میں جو پہلی کانفرنس منعقد ہوئی اس کے لئے خطبہ صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ٹرین پر لکھا اور کانفرنس میں آکر مجمع میں پیش کیا مگر تحریر میں کہیں زیر و بم، ٹرین کے جھٹکے اور سطور کی ناہمواری حائل نہیں ہوئی بلکہ سب حسن فنی اور ایک ایک لفظ جریدۂ تاریخ پر ثبت ہونے لگا۔ حضرت مولانا دنیاوی مال و متاع سے پاک تھے، وہ جہاں بھی گئے خالی ہاتھ گئے، غالباً ہاتف غیبی نے ان کے کان میں کہہ دیا تھا کہ

بجز متاع تجرد بہار خویش مبند — بہر سفر کہ روی شرمسار رہ نزدن باش

لیکن قدرت الٰہی نے اُن کے دل میں یہ بات اُتار دی کہ

بر خود نظر کنی ز تہی دامنی مرنج — در سینۂ تو ماہ تمامے نہ خفتہ اند

آج تک اسی دولت بیدار سے ہم مسلمان قوم میں بیداری کی لہر پھونک رہے ہیں، یہ کانفرنسیں نے جو ۱۹۵۹ء سے ۲۰۰۵ء تک جاری ہیں اپنے فرض سے غافل نہیں ہوئیں، کبھی الگشن میں حصہ دار نہیں بنیں، کبھی اس سے اقتدار کی سوداگریوں میں شریک نہیں ہوئیں، گاؤں گاؤں، قریہ بقریہ گلی در گلی مدرسوں کا جال بچھا دیا بغیر اس کے کہ کوئی شاہانہ سرپرستی حاصل ہو یا کوئی گراں قدر امداد مل رہی ہو۔ یہ تمام مناظر جیسا کہ عرض کیا اخلاص کی قوت، صداقت کا انعام، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا اندوختہ ہے۔

اب یہ قافلہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی قیادت میں اور ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کے انتظامی صلاحیتوں کی قوت سے آگے بڑھ رہا ہے۔ مقصد نہ نام آوری ہے اور نہ اس ذریعہ سے شہرت و عزت کا مقام حاصل کرنا، ہاں اللہ کے حضور سرخرو ہو کر جانے کی تمنا سب کے اندر ہے، اور یہ لوگ گویا اس دیوار کی مرمت کر رہے ہیں جس کی تہہ میں دین کے خزانے موجود ہیں، ہماری موجودہ نسل زر و جواہر کا خزینہ ہے مستقبل کے یہی پاسبان ہوں گے دین کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئے گی ان کو پردۂ خفا سے نکالنا اور مضر اثرات سے بچانا، توحید کا عقیدہ رگوں میں پیوست کرنا، رسالت پر ایمان کو پختہ کرنا تمام کاوشوں کا مصدر بھی ہے اور حاصل مصدر بھی۔

کلیدی مضمون

آہ! محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقّی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد و علىٰ اٰله وصحبه ومن تبعهم باحسانه ودعابدعوته إلى يوم الدين وبعد!

علماءِ دین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تقویت وحفاظت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور اُن سے اس اہم کام کے انجام دینے کے لیے جن کو اختیار فرماتا ہے، تو ان کے ذریعہ ایک طرف تو دینِ حق کی حفاظت اور تقویت ہوتی ہے دوسری طرف ان کے پروردگار کی طرف سے ایسے پاکیزہ اور اس کے پسندیدہ کام کے لیے انتخاب کیے جانے سے اُن کی برکت اور ان سے انسانی قلوب پر سکینت ورحمت نازل ہونے کی سبیل پیدا ہو جاتی ہے، اور غیر محسوس طریقہ سے ان کی مقبولیت عام ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ سب کا مرکزِ توجہ بن جاتے ہیں، اور اُن سے استفادہ کے لیے اور دلوں کے لیے سکینت حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق ان کی طرف لوگ مائل ہوتے ہیں، ایسی مبارک شخصیتوں میں سے جو کوئی شخصیت اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اپنی مدت پوری کر کے دنیا سے رخصت ہوتی ہے، تو رنج وغم کا ایک ماحول بن جاتا ہے، یہ ماحول دنیاوی طور پر آہ و بکا کا ماحول نہیں ہوتا، بلکہ دلوں کے افسردہ ہو جانے اور بے چین وغمزدہ ہو جانے کا ماحول ہوتا ہے، جس میں آخرت کی کامیابی کی فکر کرنے والے اور آخرت میں اپنی کامیابی اور سرخ روئی کے طلب گار لوگوں کے لیے تسکین خاطر اور شفائے قلب کو سخت صدمہ پیش آجانے کا واقعہ محسوس کیا جاتا ہے، گذشتہ مدت میں متعدد ایسی عظیم شخصیتیں اس برصغیر ہند و پاک میں اس عالم رنگ و بو سے رخصت ہوئیں، ان میں ہر جانے والے کے جانے پر بڑا حزن وملال محسوس کیا گیا، لیکن یہ خیال بھی ہوتا رہا کہ ایسے بندگانِ خدا ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں، کسی نہ کسی حد تک بدل مل جانے کی امیدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ کسی عظیم شخصیت کو وہ اُٹھا لیتا ہے تو اس کی تلافی کے لیے سامان مہیا فرما دیتا ہے، لیکن ادھر کچھ عرصہ سے ایسا ذہن محسوس ہونے لگا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کرم میں کمی تو نہیں واقع ہو رہی ہے، اور بندگانِ خدا کی اپنے رحیم وکریم مالک کی نافرمانیوں کی کثرت سے اس کی طرف سے ناراضی کے شکل میں تو ظاہر نہیں ہو رہی ہے، کہ اپنے ان نیک بندوں کو جو بے چین دلوں کی راحت کا ذریعہ بنتے ہیں، اور انسان نوازی کا خیر خواہانہ کام کرتے ہیں، بندگانِ خدا کی نافرمانیوں کے سبب ان کی تعداد کو کم کر دینے کا ارادہ کیا گیا ہو؟ یہ بڑے فکر کی بات ہے، اللہ تعالیٰ سے ہم سب کو اس کی التجا کرنی چاہئے کہ وہ اپنی رحمت کو اور کرم کو ایسے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ جو وہ فرماتا رہتا ہے کم نہ کرے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی جن کو محی السنۃ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے گذشتہ صدی میں تجدید واحیائے سنت وشریعت کا بڑا کام انجام دیا تھا اور اس کام میں اپنے خلفاء کی ایک خاصی تعداد چھوڑ کر رخصت ہوئے تھے، ان کے سب سے کم عمری میں ہونے والے خلیفہ تھے۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد خاصی مدت (۶۲-۶۳ سال) تک خدمت دین وشریعت کے کام کے لیے باقی رکھا، خدمتِ دین شریعت کے کام میں وہ اپنے رفقاء کے یکے بعد دیگرے رخصت ہونے پر مرجع خلائق بن کر چلے گئے۔ اور ان

سے اس برصغیر کے طالبان کو اصلاح کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا رہا، وہ بھی گذشتہ دنوں (۹ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ کی شب کو تقریباً نوے سال کی عمر میں) اپنے بے شمار معتقدین اور مریدین کو غمزدہ چھوڑ کر اپنے خالق ومالک سے جا ملے۔ **انا لله وانا اليه راجعون۔**

وہ متعدد سالوں سے کچھ علالت کی حالت میں تھے، لیکن دین کی تقویت اور اصلاح وتزکیہ کا کام اسی شغف اور توجہ سے انجام دے رہے تھے، اور اس کا انھوں نے شروع سے اہتمام رکھا، اور باوجود معذوریوں کے وہ سفر بھی کرتے رہتے تھے، لوگوں کو اتباعِ سنت اور دین کے صحیح احکام پر عمل کرنے کی شدت سے تلقین کرتے تھے، اور اپنا سارا وقت اسی میں لگاتے تھے، لوگوں سے ملاقاتوں میں، اپنی مجلس میں برابر ان دینی کمزوریوں کی طرف توجہ دلاتے جو مسلمانوں میں بلکہ دینداروں میں بھی بے خیالی کے سبب سے پھیل گئی ہیں، اصلاحی کام میں اپنی خاص توجہ میں دوسروں سے کہیں زیادہ فکر و اہتمام کرنے والے تھے، اس طرح ان کمزوریوں کا ازالہ بہت سے لوگوں سے ان کے ذریعہ انجام پایا، ان کے فیضِ صحبت سے بہت لوگوں کو دینی اصلاح اور احکامِ شریعت پر پوری طرح عمل کرنے کے کام کا حوصلہ ملا، اور ان کے کاز کو ان کے خلفاء اور ان کے مریدین نے اختیار کیا۔ جس کے ذریعہ ان کا فیض بالواسطہ الحمد للہ جاری ہے۔ انھوں نے اپنے اصلاحی مقصد کے لیے جگہ جگہ مکاتب بھی قائم کیے اور ان مکاتب کو چلانے کے لیے ادارے قائم کیے جو مجلس دعوۃ الحق کے نام سے کام کر رہے ہیں، اور اپنے وطن ہردوئی میں ایک بڑا مدرسہ "اشرف المدارس" کے نام سے قائم کیا جو تعلیم دین کے مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، اور قرآن مجید کی تلاوت کی تصحیح کے کام واہتمام میں وہ اپنی خاص شہرت بھی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو امت اسلامیہ کی طرف سے بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی محنتوں کا عظیم صلہ عطا کرے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اور ان کے اخلاف کو ان کی برکات سے پوری طرح مستفید فرمائے اور لوگوں کو ان اخلاف سے خاص طور پر ان کے جانشین محترمی جناب حکیم کلیم اللہ صاحب جو ان کے داماد بھی ہیں، ان کے بزرگ پیش رو کے طریقہ پر فیض عطا فرمائے۔

ادھر چند برسوں سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا کے درمیان قریبی ربط قائم ہو گیا تھا، حضرت مولانا ندوۃ العلماء تشریف لاتے اور بڑے انشراح کے ساتھ طلبہ واساتذہ سے خطاب فرماتے، طلبہ واساتذہ کو بھی حضرت مولانا سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملتا، اس طرح حضرت مولانا کی وفات پر اساتذہ اور طلبہ کی بڑی تعداد نے ہردوئی کا سفر کر کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور اساتذہ نے خطاب کیا، اور حضرت والا کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی، کہ کس طرح انھوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو قیمتی بنایا، اور بندوں کے اپنے خالق ومالک سے رشتہ مضبوط کرنے اور بندوں کے بندوں کے ساتھ صحیح تعلق قائم کیے جانے کے لیے وعظ و نصیحت اور اصلاح وتربیت کے ذریعہ اپنی دینی ذمہ داری انجام دی۔ اور ایک بامقصد اور مفید زندگی گذار کر رخصت ہوئے۔ **غفر الله له وادخله فی جنت النعيم مع الصديقين والشهدا والصالحين الابرار الأخيار،**

انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں

: "أساس اللغة العربية لغير الناطقين بها" پر ورکشاپ : ایک تأثر

: مشرق وسطیٰ اور قیامِ امن — از سلمان نسیم ندوی

: مسجد میں میناروں کی ابتدا — از سید وثی حسن ندوی

: اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی "ترکی میں دو دن" کی دوسری اور آخری قسط

ترکی کے دو دن

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

۷ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۵۶ء

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر مبارک پر

صبح سے احباب آگے اور ہمیں اپنے ساتھ لے کر بازار آئے، چائے پی اور .... وہاں سے ٹیکسی پر دن کا پروگرام شروع کیا دوستوں نے پوچھا کہ کہاں سے ابتداء کریں ہم نے کہا نبدا بما بدأ الله به جس سے اللہ نے ابتدا کی اسی سے ہم بھی ابتدا کریں گے، یعنی سب سے پہلے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی قبر مبارک کی زیارت کریں گے جو اس سرزمین میں اسلام کا پہلا نشان ہے اور جو اس شہر کے حقیقی فاتح ہیں، ہم نے اس نفس قدسی کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور اس کو سلام کیا جن کو اللہ نے میزبان عالم کی میزبانی کا شرف بخشا تھا اور جو اس ملک میں اللہ کا پیغام لے کر آیا تھا اور اس کو اللہ کی حکومت میں داخل کرنا چاہتا تھا جب اس کا وقت آخر ہوا تو اس نے وصیت کی کہ مجھے اس سرزمین میں جتنی دور لے جا کر دفن کر سکو دفن کرنا تاکہ جہاں تک میں زندگی میں فاتحانہ نہیں پہنچ سکا، وہاں مرنے کے بعد پہنچ جاؤں، چنانچہ ایمان و بلند ہمتی کی یہ امانت قسطنطنیہ کے دروازے پر ودیعت ہے اور اس سرزمین کی سب سے قیمتی متاع ہے اس کے جلال ایمانی اور شرف صحابیت کے آگے سلاطین ترکیہ کا جلال ہمیشہ سرنگوں رہا اور اسی تواضع اور ادب سے سلاطین آل عثمان نے دنیا میں سرفرازی پائی اللہ کی ہزاروں لاکھوں رحمتیں ہوں اس میزبان نبوت پر اور اس مجاہد عالی ہمت پر

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جامع ایاصوفیہ میں

سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے بعد سلطان احمد کی مسجد میں گئے جو اپنی زیب و زینت، نقاشی اور فن تعمیر کے لحاظ سے قسطنطنیہ کی سب سے بڑی مسجد ہے وسعت میں بھی وہ جامع سلیمانی کے بعد دوسرے درجہ کی مسجد سمجھی جاتی ہے، ترکی مساجد و جوامع کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسقف حصہ بہت وسیع ہوتا ہے اور مربع بخلاف مغل عہد کی مسجدوں کے کہ مسقف حصہ مختصر اور صحن وسیع ہوتا ہے۔ جامع مسجد سلطان احمد کے بعد ہم ایاصوفیہ آئے، جو بازنطینی عہد سلطنت کا سب سے بڑا کلیسا تھا اور ترکی سلاطین نے اس کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، کمال اتاترک کے "اصلاحی کارناموں" میں سے یہ کارنامہ بھی ہے کہ اس نے اس مسجد کو جس میں صدیوں نماز پڑھی گئی ہے اور جس کا چپہ چپہ سجدوں اور مومنوں کی پیشانیوں کے نشانوں سے معمور ہے آثار قدیمہ میں شامل کر دیا اور ایک تاریخی عمارت کے طور پر ایک عام سیر گاہ بنا دیا، اب اس مسجد میں نماز قانوناً ممنوع ہے، دوستوں نے بتلایا کہ جب استاد مصطفیٰ السباعی پچھلے دنوں قسطنطنیہ آئے تھے تو انھوں نے باوجود اس علم کے کہ یہاں نماز ممنوع ہے، دو رکعت پڑھ لی تھی، ہم نے بھی ارادہ کیا کہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں، چنانچہ محراب میں پہنچ کر دو رکعت کی نیت باندھ لی گائڈ اور پہرے دار یاسک (ممنوع ممنوع) کہتا رہا مگر ہم نے نماز پڑھ لی، نماز کے بعد کچھ دیر کتب خانہ میں بیٹھے وہاں ایک یوگوسلاوی نوجوان جو یونیورسٹی کا طالب علم ہے، ایک جاہلی شاعر پر کام کر رہا ہے، فارسی جانتا ہے، اس سے فارسی میں بات چیت ہوئی۔

لھانہ پارک کی سیر

جامع ایاصوفیہ سے نکل کر ہم نے گلھانہ پارک کی سیر کی جو یہاں کا سب سے بڑا پارک ہے اور عام سیر گاہ ہے لیکن داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ اتاترک کا یہ محبوب پارک ہے اور اس کی خصوصی سیر گاہ تھی، پارک کے ایک سرے پر اس کا مجسمہ نصب ہے اس کو دیکھ کر ہماری زبان سے بے اختیار نکلا کہ ما ولدت الامة التركية اشأم منه رفقاء نے اس کا لطف لیا۔ گلھانہ پارک شہر کی عام سیر گاہ ہے داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے، ہر چند قدم پر ریستوران اور ہوٹل ہیں، مردوں اور عورتوں کا ہجوم اور ان کی آزادی دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلامی شہر کا پارک نہیں ہے بلکہ لندن کا ہائیڈ پارک ہے۔

آبنائے باسفورس میں

گلھانہ پارک سے فارغ ہوئے تو زین العابدین صاحب نے محلہ "مرمجی" کے ایک ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا وہاں عرب طالب علموں کے ساتھ کھانا کھایا اس کے بعد کا پروگرام یہ تھا کہ باسفورس میں کچھ دور جا کر ایک دوست کے مکان پر چند ترک نوجوانوں سے ملاقات کریں گے اور کچھ ان سے خطاب کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک اسٹیمر پر روانہ ہوئے، اسٹیمر کے سارے درجے مسافروں سے بھرے ہوئے تھے، مسافر جا بجا اسٹیشنوں پر اترتے جاتے تھے، باسفورس کے دونوں کنارے آبادیاں اور شہر کے مضافات ہیں، ہمارا اسٹیمر باسفورس میں جا رہا تھا جس کا نام بچپن سے سنتے تھے، آبنائے باسفورس کے مغربی جانب

قسطنطنیہ کا عظیم الشان شہر آباد ہے اور ترکی کا وہ حصہ ہے جو براعظم یورپ میں شامل ہے، دوسری جانب مشرق میں اناطولیہ اور سلطنت ترکیہ کا ایشیائی حصہ ہے جو سلطنت کے سب سے بڑے حصہ پر مشتمل ہے۔ دونوں طرف سنگین عمارتیں اور قلعے نظر آتے تھے اور نہایت دلفریب مناظر تھے کچھ آگے بڑھ کر مغربی جانب خیر الدین بیرس کا مجسمہ نظر آیا یہ خیر الدین اس مشہور ترکی بحری بیڑہ کا بانی ہے جس نے سارے یورپ میں ترکی کی دھاک بٹھا دی تھی، اسی کنارے دولمہ باغچہ کا شاندار محل نظر آیا جو بالکل سمندر کے کنارے ہے یہ سلطان عبدالعزیز کا محل ہے جو سلطان عبدالحمید سے پہلے فرمانروائے سلطنت عثمانیہ تھے، ان مناظر کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ ایک قدرتی قلعہ ہے جس کی قدرت الٰہی نے پوری مورچہ بندی کر دی ہے پھر وہ یورپ و ایشیا کا سنگم ہے اس پر نپولین کا یہ قول بار بار یاد آتا تھا کہ اگر دنیا ایک متحدہ سلطنت بن جائے تو اس کے لیے قسطنطنیہ سے بڑھ کر کوئی موزوں دارالسلطنت نہ ہوگا۔

ترک نوجوانوں کے اجتماع میں ہماری تقریر

۶۔۷ میل چل کر وہ تنگ نائے آئی جس کے مشرقی جانب اناضولو حصار اور مغربی جانب روملی حصار ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ترک ترکتاز مغربی جہازوں اور بیڑوں کا شکار کھیلتے تھے اور ان کا قافیہ تنگ کرتے تھے، اس تنگ نائے سے آگے بڑھے تو روملی حصار کے ایک حصہ میں ہم لوگ جہاز سے اتر آئے، ایک مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی پھر ایک شامی نوجوان طالب علم کے مکان پر گئے وہاں میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج کے وہ طلبہ جمع تھے جو اسلامی افکار و دعوت سے متاثر ہیں اور ہمارے شامی و عراقی طالب علموں نے ان سے ربط پیدا کر رکھا ہے ان نوجوانوں کی وجاہت اور وقار دیکھ کر اقبالؔ کے اس شعر کے معنی سمجھ میں آئے کہ

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

یہ میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج کے آخری درجوں کے طالب علم تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو طالب علمی سے فراغت حاصل کر کے اب کالج کے اسٹاف میں شامل ہونے والے تھے۔ زین العابدین صاحب نے ہماری تقریر کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری لی اور ہم نے ان نوجوانوں سے یوں خطاب کیا کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے جو ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے ایک مرتبہ کہا کہ ہر شخص خدا سے اپنی منہ مانگی مراد مانگے کسی نے کہا کہ یہ گھر سونے چاندی سے بھرا ہو اور ہم راہ خدا میں خیرات کریں کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا آخر میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ یہ گھر خالد و ابوعبیدہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو اور میں ان کو راہ خدا میں بھیجوں اور ملک فتح کروں، ان بڑوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم بھی اپنی خواہش کا اظہار کریں مگر یہ کوئی گناہ کی بات نہیں، ہمارا بھی بے اختیار جی چاہتا ہے کہ آپ سب لوگ دین کے احیاء کے کام میں لگ جائیں، ہمیں یقین ہے کہ اگر صرف آپ چند نوجوان اس چیز کا بیڑا اٹھالیں کہ اس ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کریں گے اور اسلام کو دوبارہ زندہ کریں گے تو تنہا آپ لوگ اس ملک میں دینی انقلاب لا سکتے ہیں۔

لیکن اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک اپنی قیمت پہچاننے کی اور اس کو ارزاں فروشی سے بچانے کی دوسرے عزم راسخ کی، پھر ہم نے کہا کہ آپ کے سامنے ہم عزم راسخ کی چند مثالیں پیش کریں گے ایک مثال دور اول کی محمد بن القاسم کی ہے جس نے سترہ برس کی عمر میں سندھ فتح کر لیا جو آج کالج کے طالب علموں کی عمر سے بھی کم ہے دوسری دور متوسط کی محمد فاتح کی، آپ کو معلوم ہے کہ اس نے کس سن میں قسطنطنیہ فتح کیا؟ ان نوجوانوں میں ایک نے جواب دیا کہ بائیس سال کی عمر میں، ہم نے کہا کہ تیسری مثال حضرت شیخ احمد سرہندی کی ہے کہ جن کا سلسلہ ترکی میں خوب پھیلا ہے ان کے زمانے کے سب سے طاقتور و باجبروت فرمانروا اکبر نے اس کا عزم اور استقلام کیا تھا کہ ملک ہندوستان کو الحادی اور جاہلیت کے راستے پر ڈال دے اور پورے ملک کا رخ ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دے، اس کو اسلام سے مناد پیدا ہو گیا تھا حتی کہ محمد نام رکھنا بھی اس کو گوارا نہ تھا اس کے مقابلہ میں شیخ احمد نے فیصلہ کیا کہ اس ملک کو پھر اسلام کا حلقہ بگوش بنانا ہے اور اکبر کے اثرات کو مٹانا ہے، اکبر اور اس کے جانشینوں کے پاس وہ سب وسائل تھے جو سلاطین وقت کے پاس ہوتے ہیں، اس فقیر بے نوا کے پاس سوائے عزم و توکل و اخلاص کے کوئی وسیلہ اور کوئی پونجی نہ تھی، اس نے اپنی بصیرت خداداد سے یہ محسوس کیا کہ اس ملک میں فوجی انقلاب خطرناک ہے اس لیے کہ دوسری طاقتیں موقع کی منتظر ہیں، اس نے اہل دربار اور ارکان سلطنت سے ربط پیدا کیا اور اپنے اخلاص و بے غرضی للہیت و روحانیت و دل سوزی سے ان کے دل میں گھر کر لیا اور ان سب کو اپنی تربیت و عقیدت کا اسیر بنا لیا اور خاموشی سے اپنا کام کرنا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کے تخت پر جہانگیر آیا جس کے دل میں اسلام کا احترام تھا اس کا جانشین شاہجہاں ہوا جس نے تخت طاؤس پر بیٹھ کر اپنے مالک کو فراموش نہیں کیا اور اس کے سامنے سجدہ کر کے اپنی بندگی کا اظہار کیا، اس کا جانشین عالم گیر ہوا جس کے اصلاحی کارنامے اور

جس کی دین داری شہرہ آفاق ہے اور جو فتاویٰ عالمگیری کا مجوز و مہتمم ہے یہ انسانی عزم وارادہ کی طاقت و کامیابی کی ایک مثال ہے، یہ آبنائے باسفورس کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے قلعے اور حصار اور قسطنطنیہ کا عظیم شہر انسانی عزم کی مثال ہے، پھر ہم نے ان سے کہا کہ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ ایمان اور موجودہ تمدن کے وسائل اور بخشی ہوئی طاقتوں کو جمع کر کے انسانی زندگی کی صحیح تنظیم کی جائے، ایمان کا سرچشمہ صرف ایک ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کی ذات اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہ! وسائل آپ بے شک پیدا کر سکتے ہیں اور دوسروں سے مستعار لے سکتے ہیں، آج انسانیت کی یہی بڑی بدقسمتی ہے کہ وسائل و تنظیمات کے مالک ایمان سے محروم ہیں اس کی وجہ سے زندگی ایک عذاب بن گئی ہے اگر جدید ترکی کے معماروں کو خدا توفیق دیتا اور ان کو اتنی عقل ہوتی کہ ایمان و تنظیم جدید کو جمع کرتے تو آج ترکی یورپ کا امام ہوتا مگر افسوس کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو

پھر ہم نے ان سے کہا کہ آپ یورپ سے اس کی ترقیات و تنظیمات لے کر صرف اس کے شاگرد بن سکتے ہیں ممکن ہے شاگرد رشید بن جائیں لیکن ایمان کی دعوت لے کر اگر کھڑے ہوں تو آپ اس کے امام بن سکتے ہیں، بتلایئے! شاگرد بننا زیادہ عزت کی بات ہے یا استاد و پیشوا بننا..... پھر ہم نے اُن کو اقبال کے دو شعر سنا کر اپنی تقریر ختم کی، وہ دو شعر یہ تھے۔

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا

آخری شعر کا جب ترجمان نے ترجمہ کیا اور مغرب کی شیشہ گری کی تشریح کی تو دونو جوان بہت متاثر معلوم ہوتے تھے، ہم یہ تقریر کر رہے تھے اور بالاخانہ کی کھڑکی آبنائے باسفورس کی طرف کھلی ہوئی تھی جہاز آتے جاتے اور سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ بار بار جی چاہتا تھا کہ یہ بحر و بر پھر روایت (پرچم) اسلامی کے سایہ میں ہوں۔

ہماری تقریر کے بعد ان طالب علموں میں سے ایک طالب علم اسماعیل نے جو میڈیکل کالج کے آخری سال کے طالب علم ہیں موزوں الفاظ میں اپنے تاثر و امتنان کا اظہار کیا اور بعض سوالات کیے جن سے سنجیدگی کا اظہار ہوتا تھا، اجتماع کے بعد ہم نے اور ان نوجوانوں نے پاس کی مسجد میں عصر کی نماز پڑھی اور ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ (جاری)

قارئین توجہ فرمائیں

نصف پرچہ اشاعت کے لیے پریس کو جاچکا تھا اور بقیہ صفحات کے نگیٹیو (Negative) بن چکے تھے کہ حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی کے قلم سے حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ پر افتتاحیہ ارسال کیے جانے کی محمود حسنی صاحب نے اطلاع دی، چنانچہ چند صفحات کے مضامین بروقت ہٹانے پڑے، جن میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کا وہ اہم مضمون بھی ہے جو دراصل بنگلہ دیش کی تشکیل کے موقع پر کی گئی ایک تقریر ہے، انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں قارئین کرام اسے ملاحظہ کر سکیں گے۔

مولانا حافظ قاری محمد اسعد اسرائیلی قاسمی سنبھلی کی وفات

جناب مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ
صدر شعبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (یوپی)

ملک کے مشہور اہل قلم اور صاحب طرز ادیب و مصنف مولانا محمد اسعد اسرائیلی سنبھلی قاسمی کا حادثہ وفات، بالخصوص علمی حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ سے کم نہیں۔ موصوف اپنی ذہانت، بذلہ سنجی، خوش مزاجی اور خوش مذاقی ہی کے لیے نہیں، بلکہ شگفتہ زبان و قلم کے لیے بھی معروف تھے۔ موصوف کے قلم سے کوئی نصف درجن کتابوں کے علاوہ سینکڑوں ادبی، علمی و فکری مقالات و مضامین نکل کر اہل علم و فکر میں مقبول ہوئے۔ مرحوم کا غالباً سب سے اہم اور یادگار مقالہ "حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر تھا جو حضرت نانوتویؒ پر منعقد سیمنار، دہلی میں انھوں نے خود پڑھا اور داد تحسین حاصل کی، نیز باتفاق شرکاء سیمنار کا سب سے بہتر مقالہ قرار دیا گیا۔ مولانا اسعد اسرائیلی صاحب ایک پرجوش داعی و مبلغ اور تحریکی ذہن کے حامل تھے۔ اس جرم کی پاداش میں انھیں زمانہ ایمرجنسی میں سنت یوسفی ادا کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔

مرحوم کی عمر اگلی تقریباً ۵۵ سال ہی تھی کہ بعارضہ قلب مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۸ مئی ۲۰۰۵ء کو مراد آباد کے ایک اسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اگلے روز (دوشنبہ کو) اپنے وطن مولد سنبھل میں اپنے مسکونہ مکان کے قریب والدین کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ نماز جنازہ ایک مقامی کالج کے بہت بڑے میدان میں ادا کی گئی۔ شرکاء کی تعداد محتاط اندازہ کے مطابق دس بارہ ہزار سے زیادہ تھی، جو اس سے قبل غالباً سنبھل میں کسی جنازہ کے اندر نہیں دیکھی گئی۔ مرحوم کا گھرانہ پانچ چھ پشتوں سے علمی رہا ہے۔

پس ماندگان میں ایک بھائی اور چند بہنوں، جو سب کے سب عالم اور حافظ ہیں۔ کے علاوہ اہلیہ، چند لڑکے اور ایک لڑکی ہے (چھوٹا لڑکا تو ابھی ایک سال سے کم کا ہی ہے)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے اور سب کا حامی و کفیل ہو۔

محی السنہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ کو احیاء سنت سے بڑا شغف تھا

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

عہد حاضر کے عظیم المرتبت بزرگ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں آخری بزرگ شخصیت محی السنہ حضرت مولانا شیخ ابرار الحق صاحب کی رحلت سے لاکھوں انسانوں کو بڑے صدمے اور عظیم سانحہ کا سابقہ پڑا ہے۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ اپنے عظیم رفقاء میں آخری شخصیت رہ گئے تھے اور بے شمار انسانوں کو ان کی تربیت اور دینی توجہات سے فیض پہونچ رہا تھا۔ ہندوستان، پاکستان اور افریقہ میں ان کے لاکھوں معتقدین کو ان کی برکات حاصل ہو رہی تھیں اور اس طریقے سے ہر دو ئی دینی رہنمائی اور تربیت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ احیاء سنت سے ان کو بڑا شغف تھا۔ وہ سنت کے خلاف کوئی معمولی بات بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ دینی تعلیم کی اشاعت کے لئے مدارس قائم کرنا بھی ان کا بڑا ذوق تھا۔ لوگ کثرت سے ان سے دعا لینے کے لئے پہونچتے تھے۔ اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلے میں کوئی چارہ نہیں۔ گذشتہ مدت میں بڑی عظیم شخصیتیں رخصت ہوئیں، ان میں مولانا کی ذات والا صفات ہی اب رہ گئی تھی۔ ان کے نہ رہنے سے یہ مرکز فیض بھی ختم ہو گیا۔ حضرت والا سے جو شفقت و فیض حاصل ہو رہا تھا اور ندوۃ العلماء کے متعلقین کو بھی حضرت والا کی بڑی شفقتیں حاصل تھیں اس لئے میں ذاتی طور پر اور ندوۃ العلماء کی طرف سے بھی اس دینی نقصان اور خسارہ پر افسوس ظاہر کرتا ہوں۔ ہم سب کے دل غمزدہ ہیں اور اللہ کے حضور دست بدعا ہیں کہ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ایک شیخ کامل کی وفات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے آخری خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء کو بعد نماز عشاء واصل بحق ہوئے۔ خانقاہ اشرفیہ ہردوئی سے جو اطلاعات ملیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو پہلے سے کوئی خاص تکلیف نہیں تھی، یوں پیری اور ضعف تو طبعی چیز ہے۔ عمر بابرکت نوے کے لگ بھگ یا زیادہ تھی۔ حضرت تھانویؒ کے حلقہ کے سب سے بڑے شیخ تھے اور آپ کے خلفاء کی تعداد بھی بہت ہے جو آپ کی زندگی میں تزکیہ اور روحانیت کی دعوت کا کام انجام دیتے رہے۔ حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ کا خاص مذاق سنت نبوی کا اتباع تھا۔ اپنے مریدوں اور ملنے والوں اور ان لوگوں کو جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ان کو سنت کی تاکید فرماتے، سنت سے آپ کو اتنا شغف تھا کہ اہل اللہ کے حلقہ میں آپ کو محی السنہ کہا جاتا تھا "ایک منٹ کا مدرسہ" کے نام سے آپ کی کتاب کافی مقبول ہوئی۔

ہر موقع کے لئے سنت کی اتباع کا خاص اہتمام فرماتے اور مطبوعہ احادیث کے مجموعے اپنے نیاز مندوں کو بھیجا کرتے تھے۔ شادی، موت اور پیدائش کے موقعوں پر آپ کا ہدایت نامہ بڑی ہدایت کا سامان اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ کو کوئی خاص تکلیف نہیں تھی بس ایک ہلکی سی کیفیت ہوئی اور دس منٹ کے اندر آپ نے اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ جنات النعیم (آمین)

(ادارہ)

جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب

ایک تعزیتی بیان

محترم عالی مرتب جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب ہندوستانی مسلمانوں کی اس ملک میں پوزیشن اور حالات کو باعزت اور بہتر قائم رکھنے کے لئے طویل مدت تک اپنی خدمات صرف کرتے رہے اور ان کی انڈین نیشنل مسلم لیگ کو جس کا خاص طور پر جنوبی ہندوستان کے لوگوں میں تقسیم ملک کے بعد بڑا اثر رہا، اور اس سے مسلمانوں کے ملت کے لئے متحد ہو کر کام کرنے کے جذبہ کو تقویت ملی، ملت اسلامیہ کی اس ملک کی تاریخ میں اہمیت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ وہ مسلم لیگ کے جنوبی ہندوستان میں قائد اول جناب محمد اسماعیل صاحب کے عرصہ تک دست راست رہے، اور جنوبی ہندوستان سے منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں موثر ممبر کی حیثیت سے عرصہ تک برابر آتے رہے، اور مسلمانوں کے کاز کی حمایت کرتے رہے۔ وہ عوام میں خطابت کے ایک مؤثر انداز سے بات کرتے تھے، اور ان کے خطاب کا بڑا اثر لیا جاتا تھا۔

بعد میں مسلمانوں کا نیم سیاسی اتحاد مسلم مجلس مشاورت کے نام سے تجویز پایا تو وہ اس میں بااثر رکن کی حیثیت سے شامل رہے، اور پھر بعد میں آل انڈیا مسلم لابورڈ کی تشکیل کے بعد اس میں بحیثیت رکن کے ان کا بہت اچھا حصہ رہا، ادھر کچھ عرصہ سے ملی کونسل کی تشکیل کے بعد اس میں بھی ان کو بڑی حیثیت حاصل ہوئی۔ ابھی کچھ ہی عرصہ سے پہلے ملی کونسل کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ ان تمام پلیٹ فارموں سے انہوں نے مفید خدمات انجام دیں، خاص طور سے جنوبی ہندوستان میں ان کی قیادت کا بڑا فائدہ اٹھایا گیا۔

ملک کے موجودہ حالات میں جب کہ مسلمانوں کو متعدد مسائل کا سامنا ہے، ان کے انتقال سے ان کے تجربات اور ان کی مفید رایوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو محرومی ہوئی، اور ملی سطح پر جانے والی کوششوں کو خسارہ ہوا۔ اس وقت وہ مسلمانوں کے سینئر رہنماؤں میں تھے، ان سے مسلمانوں کے جو نیز ملی کارگزاروں کو جو تقویت حاصل ہو رہی تھی اس کا خسارہ ہوا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی نیک کوششوں کا عظیم بدلہ عطا فرمائے اور اگر ان میں کچھ کمزوریاں رہی ہوں تو معاف فرمائے۔ ان کے نہ رہنے سے جو خلا ہوا ہے، خاص طور سے جنوبی ہند کے مسلم حلقوں میں جو کمی محسوس کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرمائے۔ ہم ان کے پسماندگان کو اور ان سے منسلک لوگوں کو اپنے نیک جذبات پیش کرتے ہیں، اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ

۱۴۲۶/۰۳/۲۶ھ
۲۰۰۵/۰۵/۰۶ء

آنکھوں کی جانچ اور چشموں کا ایک قابل اعتماد مرکز

چشمہ ساگر

ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے

Auto Refracto Meter
AR-860

فوٹو کرامک ☆ کوٹیڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس
فینسی پاور اور دھوپ کے چشمے
ایک بار خدمت کا موقع دیں
آپٹیشین: اے رحمان (علیگ)

شعور کی تربیت

ایک بڑی ضرورت اور خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی، مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے، یاد رہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ اشخاص کی کثرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں شعور بھی موجود ہو، اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے بیدار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے، لیکن شعور پیدا کرنے کے لئے بہر حال مستقل جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس قوم میں شعور کی کمی ہے، وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں، خواہ اس کو اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد ہو اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھائے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے۔ اس لئے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور بالغ نظر اور پختہ خیال نہ ہو، ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلۂ کار بن جائے گی اور آن کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا۔ جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پر میدان میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہوں۔ (مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مسلمانوں کی انسانی قدریں اپنے پروردگار کی تابع

(دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش اجلاس رائے بریلی میں پیش کردہ خطبۂ صدارت)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش ملت اسلامیہ ہندیہ کو دینی، فکری اور تہذیبی ارتداد سے بچانے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ یہ کام اس نوعیت کا ہے کہ جو تسلسل چاہتا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ پر خصوصاً اپنی عمر کے آخری حصے میں اس فکر کا شدید غلبہ تھا اس لئے کہ شاید ان کی فراست چند برسوں بعد دنیا میں رونما ہونے والے اس بنیادی دینی نظام تعلیم پر نقب لگانے کی مذموم کوششوں کو کھلی آنکھوں دیکھ رہی تھی جہاں سے دین کے سوتے اور سرچشمے پھوٹتے ہیں، مولانا کی بصیرت ان دینی قلعوں پر قدغن لگانے کی ناپاک حرکتوں کا ادراک کر رہی تھی، یہی وجہ کہ تعمیر حیات نے باوجود صفحات کی تنگی کے دینی تعلیمی کونسل کے خطبات کو برابر جگہ دی ہے، اور اسے اپنے مشن کا حصہ سمجھا ہے۔ رہی رپورٹیں، تو وہ اخبارات کی نوعیت کی چیزیں ہیں جو اخبارات میں شائع ہوئی ہیں لہٰذا ان کی اشاعت کی تکرار کو ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں، درج ذیل خطبۂ صدارت میں صدر دینی تعلیمی کونسل نے اس شمع کی لو کو تیز تر کرنے کی طرف مومنانہ فراست و بصیرت کے ساتھ متوجہ کیا ہے جو نذر قارئین ہے۔ (ا-ش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی خاتم النبیین سیدنا محمد بن عبد اللہ الأمین، و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین، و من تبعھم بإحسان و دعا بدعوتھم إلی یوم الدین، أما بعد:

حضرات!

رائے بریلی ضلع میں دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کی طرف سے یہ اجتماع مدت مدیدہ کے بعد منعقد ہو رہا ہے، اس کی ضرورت اور اس کے منعقد کرنے کا تقاضہ رائے بریلی کے دینی و ملی احساس رکھنے والے حضرات کی طرف سے، اور دینی تعلیمی کونسل کے ذمہ داروں کی طرف سے کچھ عرصہ سے برابر محسوس کیا جا رہا تھا، اور اس کے لئے تدابیر اختیار کرنے کی طرف توجہ بھی کی جا رہی تھی، آج اس توجہ کا نتیجہ الحمد للہ سامنے آ رہا ہے۔

ہمارے اس ضلع رائے بریلی کا دینی تعلیمی تحریک کے ساتھ خصوصی ربط و تعلق شروع ہی سے رہا ہے، کیونکہ اس تحریک کے اولین سربراہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ یہیں کے متوطن رہے ہیں، اور اس طرح کی نسبت کی بنیاد پر اس ضلع پر اس تحریک کے تعلق سے بستی ضلع کے بعد خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بستی ضلع سے اس تحریک کا آغاز ہوا تھا، جہاں اس تحریک کے اصل روح رواں وہاں کے لائق فرزند جناب قاضی محمد عدیل عباسی صاحب تھے، جن کی نمایاں کوششوں سے اس تحریک کے قافلہ کا آغاز ہوا۔ ان کے بعد ان کے رفیقوں نے اس کے کام کو توجہ اور محنت سے آگے بڑھایا۔ جناب محمود الحسن صاحب عثمانی، جناب وکیل ظفر احمد صاحب اور جناب ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی مرحوم نے اس پر اپنی توجہات صرف کیں، اور ان سب نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں دینی تعلیمی مہم کو مدد و تقویت پہونچائی، اور الحمد للہ ان سب حضرات کی کوششوں سے اس تحریک کا قافلہ برابر رواں دواں رہا، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

ضلع بستی اور ضلع رائے بریلی سے اس کام کو جو رہنمائی ملی اس کے لحاظ سے ان دونوں ضلعوں کو نمایاں کردار انجام دینے کی خصوصیت حاصل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن رائے بریلی ضلع کے کارکنان نے ادھر کچھ عرصہ سے وہ ہمت اور حوصلہ مندی ظاہر نہیں کی جس کی اس ضلع سے تعلق کے لحاظ سے ضرورت تھی، اسی لئے اس بات کا تقاضہ تھا کہ یہاں یہ کانفرنس منعقد ہو اور دینی تعلیمی کام میں تازگی پیدا کی جائے۔

حضرات!

دینی تعلیمی کام کا معاملہ کوئی سرسری اور معمولی قسم کا نہیں ہے، یہ ہندوستانی مسلمانوں کا بہت اہم ترین معاملہ ہے۔ ہر جگہ کے انسان کو اپنی انسانی عزت و مقام کے تقاضے سے تعلیم و تربیت کا ذریعہ اختیار کرنا ہوتا ہے، یہ ذریعہ گھر سے شروع ہوتا ہے، پھر مکتب سے ہوتے ہوئے تعلیم و تربیت کے مقصد سے قائم کی جانے والی درسگاہوں تک پہونچتا ہے، اسی اہم ذریعہ سے انسان نے اپنے اخلاق و کردار کی تعمیر کی ہے، اور بار بار تہذیب و تمدن کا اعلیٰ معیار بنایا ہے، اور اسی ذریعہ کو اختیار کرنے میں کوتاہی کرنے سے اس کو تنزل اور پسماندگی کے سانحہ سے گذرنا پڑا ہے۔

تعلیم وتربیت انسان کی عملی واخلاقی صلاحیتوں کی تعمیر کرتی ہے، اب رہا یہ کہ وہ کس طرح کی صلاحیتوں کی تعمیر کرتی ہے؟ تو اس کا انحصار انسانی معاشرہ کے دانشوروں کے اس بات کو طے کرنے پر ہوتا ہے کہ ابھرتی ہوئی نئی نسل کو سماجی اور تمدنی زندگی کے لئے کن صلاحیتوں کا حامل بنایا جائے، کوئی بھی کامیاب زندگی ان انسانی قدروں میں مضمر ہوتی ہے جن کو دانشور حضرات طے کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا مسئلہ اس معاملہ میں ذرا مختلف ہے، مسلمان انسانی قدروں کو اپنے پروردگار کے طے کردہ اصولوں سے اخذ کرتے ہیں، یہاں سے مسلمانوں کی انسانی قدریں عام انسانوں کی انسانی قدروں سے ممتاز اور فائق ہوجاتی ہیں۔ اور وہ انسانیت کے لئے زیادہ سودمند اور زیادہ تعمیری اور خیر پسند ہوتی ہیں، کیونکہ وہ انسانوں کے خالق کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں۔

اس ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اکثریت کے دانشوروں کے تجویز کردہ اصولوں اور قدروں کو ایک حد تک غلبہ اور اثر انگیزی کی حیثیت حاصل ہے، اگر اقلیت کے افراد اپنے پروردگار سے حاصل کردہ رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کی اور اس کو نئی نسلوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اختیار کرنے کی فکر نہیں کرتے تو اکثریت کی اختیار کردہ اور جاری کردہ قدروں کے ذریعہ ہی مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہنوں کی تشکیل ہوگی، اور اس بناء پر مسلمانوں کی نئی نسل اپنی اعلیٰ قدروں سے محروم رہے گی، اور اس کی جو اسلامی خصوصیت ہے وہ اس کو حاصل نہ ہوسکے گی، اور وہ اپنے اسلامی تشخص کو چھوڑ کر غیروں کے رجحان اور نقطۂ نظر نیز ان کے رنگ وڈھنگ میں ضم ہوجائیگی، اور یہ ایک بہت بڑا خسارہ ہوگا، جس کا خطرہ اس ملک میں پوری طرح محسوس کیا جارہا ہے، جہاں غیروں کا مذہبی اور اخلاقی رجحان چھایا ہوا ہے، جو ان کی تعلیم گاہوں اور ان کے ثقافتی اداروں میں اچھی طرح دیکھا جاسکتا ہے۔

اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمت اور حوصلہ آج سے ۴۶ سال قبل بستی ضلع میں ایک زبردست تعلیمی کانفرنس کے دوران ظاہر کیا گیا تھا، اور اسی کی بنا پر دینی تعلیمی کونسل کے ادارہ کی تشکیل عمل میں آئی تھی، اور گھروں میں مسلمان بچوں کے عقیدے اور اخلاق کی تشکیل صحیح طور پر کرنے کی تلقین کے ساتھ ان کے تعلیمی مرحلہ کے آغاز کے لئے عوامی سطح پر دینی مکاتب کے قیام کا نظام بنایا گیا، اور اس نظام کو عوامی وسائل کے ذریعہ سے طاقت پہنچائی گئی۔

اس نظام نے الحمد للہ بڑا کام انجام دیا، اور ہزاروں ہزار مکاتب یوپی صوبہ کی ضلعی اور تحصیلی بلکہ شہروں کے محلوں کی سطح پر وجود میں آگئے، اور مسلمان بچوں کو صحیح اسلامی خطوط پر ڈالنے کی کوشش کی گئی، اور یہ کام ضلعوں کی سطح پر قائم کی جانے والی انجمن تعلیمات دین کی رہنمائی میں انجام دیا گیا، جس کو دینی تعلیمی کونسل کے مرکزی ذمہ داروں نے رہنمائی دی اور کنٹرول کیا۔ اور اس طرح ۴۶ سال کے عرصہ میں ملت اسلامیہ کی ایک بیش بہا خدمت انجام پائی، اور ایک تاریخ بنی اور کام کا ایک مفید نمونہ قائم ہوا، جس کو ہندوستان کے دوسرے صوبوں نے بھی اختیار کیا۔

اس عظیم ادارہ کے اولین رہنماؤں کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر ان کے نقش قدم پر چلنے والوں نے کام کو سنبھالا اور اس قافلہ کا سفر اس طرح جاری رہا۔ اس میں جہاں بعض ضلعوں کی کارگزاری قابل تعریف اور مفید تر رہی، وہاں بعض دیگر ضلعوں کی کارگزاری زیادہ فکر وتوجہ کی نہیں رہی، اس کی کوتاہی کے تدارک کی خاطر اس کام کے ذمہ داروں کا یہ فریضہ رہا کہ وہ کام کا جائزہ لیتے رہیں اور جہاں توجہ کی کمی محسوس ہو وہاں توجہ دہانی کی فکر کرتے رہیں، اسی کے لیے مختلف جگہوں پر دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے کانفرنسیں منعقد کی جاتی رہی ہیں، اسی سلسلہ کی یہ کانفرنس بھی ہے۔

حضرات!

نوخیز نسلوں کی تعلیم کا جو نظام اس وقت ملک میں رائج ہے، اس میں اکثریتی فرقہ کے مذہبی خیالات اور اسی فرقہ کی قد آور شخصیتوں کو نمونہ کے طور پر پیش کرنے کا جو طرز اختیار کیا جارہا ہے وہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور ان کی اخلاقی قدروں اور ان کی اسلامی امنگوں سے عموماً متضاد اور برخلاف ہے، اس کے اثر سے مسلمان بچے بڑے ہوکر اپنے پیشواؤں سے ناواقف رہتے ہوئے غیروں کے پیشواؤں کو اپنے لئے قابل تقلید نمونہ سمجھیں گے، اور عقیدہ وعبادت کے سلسلہ میں اسلامی رہنمائی کے بجائے غیر اسلامی بلکہ مشرکانہ رہنمائی میں پرورش پائیں گے، یہ ایک بڑا خطرہ ہے، جو ہندوستان کی عقیدۂ توحید کی حامل اقلیت کے مذہبی رخ کو بدلنے والا ہے، اس کے مقابلہ کے لئے دینی تعلیمی کونسل نے دو پہلوؤں پر کام انجام دیئے، ایک پہلو تو یہ کہ ہندوستان کے سیکولر ملک ہونے کے حوالہ سے حکومت سے یہ مطالبہ کہ تعلیم کا ذریعہ جو کہ نئی نسل کی ذہنی ومعلوماتی تشکیل کا ذریعہ ہے، چونکہ ملک کے تمام طبقوں کے لئے ہے، اس لئے اس پر کسی ایک مذہب کی چھاپ نہیں ہونی چاہئے، اور اس میں سے وہ اجزاء یا تصورات یا رجحانات ہٹادیئے جائیں کہ جن سے کسی دوسرے مذہب کی تعلیمات اور عقائد سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہو۔ اس کے لئے کونسل نے باقاعدہ ایک جائزہ کمیٹی بنائی، جو برابر اس نصاب کا

جائزہ لیتی رہتی ہے، اور قابل اعتراض حصوں کی طرف ملک کے سیکولر دستور کا حوالہ دیکر اصلاح کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، اور الحمد للہ اس کوشش سے وقتاً فوقتاً غلط رجحان کو بدلا جاتا رہا ہے۔ اور اب کونسل نے انہی باتوں کو رائج کئے جاتے رہنے والے نصاب تعلیم کا جائزہ لیکر ایک کتاب کی صورت میں جمع کردیا ہے، تاکہ اس کے حوالہ سے بتایا جاسکے کہ ملک میں رائج نظام تعلیم میں اکثریتی فرقہ کے عقیدہ وفکر کے اثرات بعض وقت بہت غلط رخ پر لیجانے لگتے ہیں، چنانچہ بندے ماترم کی ترویج اور سرسوتی کی عقیدت کو لازم کئے جانے کا معاملہ سامنے آیا تو کونسل کے ذمہ داروں نے اس پر اعتراض کیا، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صدر دینی تعلیمی کونسل نے اس معاملہ کی سخت مذمت کی، اور کہا: ''اگر اس کو بدلا نہ گیا تو ہم بچوں کو درسگاہوں سے ہٹا لیں گے''۔ چنانچہ اس کا بہت اثر پڑا، اور حکومت نے اس کا خاص نوٹس لیا، اور اس سلسلہ میں اپنے حکم کو واپس لے لیا، اور مسلمانوں کو اس سلسلہ میں کامیابی حاصل ہوئی، اور اس مثال سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا، اور انہوں نے رائج الوقت تعلیمی نظام پر نظر رکھنے کا سلسلہ قائم رکھا جو دینی تعلیمی کونسل کے ذریعہ انجام پارہا ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کے کام کا دوسرا پہلو جو زیادہ بڑا اور وسیع پہلو ہے یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے تعلیمی سلسلہ کی اولین مدت جو درجہ پانچ تک کی ہے خود دینی تعلیمی کونسل کے طے کردہ نصاب کے مطابق عوامی سطح پر قائم کئے جانے والے مکاتب کے ذریعہ انجام پائے، یہ مکاتب بہت معمولی ذرائع سے اور عوامی تعاون سے قائم کئے جاتے اور چلائے جاتے ہیں، اور ان کو محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہے، تاکہ تعلیمی سلسلہ کی اس اولین مدت میں مسلمان بچوں کو ان کی مذہبی بنیادوں سے وابستہ کردیا جائے، اور ان کے مذہبی عقیدہ اور اسلامی رجحان کو ان کی توجہ کے اولین مرحلہ میں ان کے ذہنوں میں بٹھادیا جائے، جو بعد والے مرحلوں کی تعلیم کے نظام ونصاب سے اگر ان کے دین و مذہب کو مدد نہیں ملتی تو بھی ان کے عقیدہ اور مذہب کی بنیادوں کو نقصان نہ پہونچے گا، کیونکہ ان کی جڑیں اسلامی بنیاد پر قائم ہوچکی ہوں گی۔ یہ دینی تعلیمی کونسل کا نظام ایسا کامیاب اور مسلمان نسل کی بنیادی ومذہبی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے کہ اس سے ان خطرات کا خاصی حد تک مقابلہ کیا جاسکتا ہے جن کا ملک کے اکثریتی فرقہ کے دباؤ اور اثر سے مسلمانوں کی نئی نسل کو سامنا ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے منعقد کی جانے والی کانفرنسیں اسی اہم مسئلہ کی وضاحت کرنے اور اس کی اہمیت کی طرف توجہ دہانی کے لئے منعقد کی جاتی رہی ہیں، اور رائے بریلی کی یہ کانفرنس بھی اسی سلسلہ کی تازہ کڑی ہے۔ اس کانفرنس کے ذریعہ سے اس ضلع کے اہل شعور مسلمانوں کو خطرہ کی طرف متوجہ کرنا ہے، اور اپنی نئی نسل کی تعلیم کے اس ضروری حصہ کو توجہ دینے کے لئے فعال بنانا اور کام کو وسیع پیمانہ پر انجام دینے کے لئے آمادہ کرنا ہے، اور ان کو اس سلسلہ میں کوتاہی کرنے کے جو خراب نتائج ہیں ان سے واقف کرانا ہے۔ ہم اپنے دنیاوی تقاضوں کو اپنی پسند کے مطابق پورا کرنے کی طرف تو پوری توجہ دیتے ہیں، لیکن ہماری مذہبی ضرورت کے جو تقاضے ہیں ان کو ہماری وہ توجہ حاصل نہیں ہوتی ہے جس کی ہم کو شدید ضرورت ہے۔ یہ بہت فکر کی بات ہے، مسلمان جس ضلع کا بھی ہو، جس صوبہ کا بھی ہو، اس سیکولر ملک میں جہاں وہ اقلیت میں ہے، سیکولر دستور ونظام کے تحت اپنے مذہبی تشخص کو اور اپنے مذہبی عقیدہ کی حفاظت کو حکومت کے قائم کردہ یا اکثریت کے قائم کردہ تعلیمی نظام سے پورا نہیں کرسکتا، اس کو خود اپنے ذاتی ذرائع سے پورا کرنا ہوگا، اور اس میں کوتاہی کرنے سے مذہبی تشخص اور عقیدہ کی حفاظت کی ضرورت کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس کو سمجھنا ہوگا۔

ہماری یہ زندگی تو کسی نہ کسی حال میں گذر جائے گی، لیکن آخرت میں جب ہم سے یہ سوال ہوگا کہ تم نے اپنی نئی نسل کو اسلام پر قائم رکھنے کے لئے کیا کیا تو ہماری کوتاہی کی صورت میں اللہ رب العزت کے سامنے ہم سے کوئی جواب نہیں بن پائے گا، اس لئے اس اہم مسئلہ کی طرف ہم کو پورا پورا دھیان دینا چاہئے، ہم عملی طور پر خود بھی اس پر دھیان دیں اور دوسروں کو بھی اس مسئلہ پر دھیان دینے کی طرف متوجہ کریں، ہماری اس کانفرنس کا یہی پیغام ہے، امید ہے کہ کانفرنس اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگی، و ندعو اللہ لنا جمیعاً بالتوفیق و السداد، و صلی اللہ علی سیدنا و نبینا و رسولنا محمد، و علی آلہ و صحبہ أجمعین۔

دعائے مغفرت

مولانا معہد سکروری دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ جناب جاوید صاحب ندوی کی اہلیہ مختصر سی علالت کے بعد لکھنؤ میں انتقال کرگئیں۔ ۱۸ رمئی کو بعد نماز ظہر تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ جناب عبدالرحمٰن صاحب ندوی کے والد اپنے وطن مالدہ میں انتقال کرگئے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ مولانا صاحب خیر اشتیاق احمد کے والد بزرگوار ناصرالدین پور وایا چندن پور مہراج گنج کا ۲ رمئی کو انتقال ہوگیا دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

خطبۂ افتتاحیہ

نئی نسل کسی دوسری میتھالوجی کو عقیدہ کی بنیاد نہیں بنا سکتی

علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس رائے بریلی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، ان کی عمر تعلیم وتدریس کی دشت کی سیاحی میں گزری ہے موصوف نے نہ صرف مغرب ومشرق کے میخانے دیکھے ہیں بلکہ اپنے اکابر کی صحبتیں اٹھائی ہیں، درج ذیل خطبۂ افتتاحیہ میں ان تمام خصوصیات کا آپ بآسانی عکس اور پرتو دیکھ سکیں گے، چنانچہ اس میں جہاں ایک طرف کونسل کی تشکیل کے عوامل ومحرکات اور اس سے وابستہ شخصیات کا ذکر خیر ہے وہیں اس کا سرا اس عالم ربانی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی نسلوں کے عقیدہ کے تئیں فکرمندی "ماتعبدون من بعدی" سے ملادیا ہے، رفتار زمانہ کی نبض پر ان کی انگلیاں ہیں اس لئے اس خطبہ میں جہاں ایک طرف روس کی مثال ہے کہ حفاظت دین کے جذبہ کے لئے ان جیالے مسلمانوں نے کیا کچھ داؤں پر نہیں لگا دیا تو دوسری طرف ملیشیا اور مغربی ممالک کی مثال ہے کہ کس طرح انھوں نے مذہبی رواداری کو برت کر دکھادیا، اس کے برخلاف وہ ملک جس کے معماروں نے UNITY IN DIVERSITY (کثرت میں وحدت) کے اصول پر اس رنگا رنگ چمن کی بہار کو باقی رکھنا چاہا لیکن عملاً کیا ہوا؟ مولانائے موصوف نے اپنی بات نسلِ نو کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے "فکرمندی کے تسلسل" پر ختم کی ہے کہ موجودہ نسل کسی دوسری میتھالوجی کو عقیدہ کی بنیاد نہیں بنا سکتی۔ مولانائے محترم کو اللہ نے زبان وبیان پر قدرت عطا کی ہے ساتھ ہی دردمندی وجگر کاوی بھی۔ چنانچہ اس تحریر میں لذت وتاثیر کے ساتھ ساتھ نہ صرف ماضی وحال کی عکاسی ہے بلکہ مستقبل کا لائحہ عمل بھی ہے نیز تحریر کی تازگی وشادابی کی بدولت جب بھی یہ تحریر پڑھی جائے گی کارکنان، اپنے اندر ایک نیا جوش وولولہ اور حوصلہ وامنگ محسوس کریں گے۔ (ا-ش)

خدائے رحمان ورحیم کے نام پاک سے ہم شہر رائے بریلی میں "دینی تعلیمی کونسل" اتر پردیش کی علاقائی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہیں، اور اس دعا سے اس اجلاس کی ابتدا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کی نگہبانی فرمائے، ہماری نیتوں میں صداقت کے جوہر کو ہمیشہ قائم رکھے اور اپنے ان مخلص بندوں کی پاک روحوں کو اپنے قرب کی دولت عطا فرمائے، جنہوں نے صرف تیری رضا کے لئے تیرے دین کو ہمیشہ سربلند رکھنے کی تمنا میں اپنی زندگیاں قربان کردیں۔

حضرات! ۳۰/۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء کو اللہ کے ایک مقبول بندہ نے شہر بستی میں اس تنظیم کی پہلی کانفرنس بلائی وہ جناب قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم تھے، اور دین کا دردمند، اللہ کا مخلص ومقبول بندہ! مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنا تاریخی خطبۂ صدارت پیش کیا، پھر وہ تاریخ بھی تھی دسمبر کے آخری دن کی جب ۱۹۹۹ء میں مولانا کی روح پاک عالم قدس میں باریاب ہوئی، اور اپنے رب کریم کے حضور وہ سرخ رو ہو کر حاضر ہوئی، وہ جسم پاک اسی خاک پاک کی امانت ہے، جہاں ہم اور آپ آج جمع ہیں، مولانا کی پوری زندگی، ان کے بے مثال سیرت اور کردار کی بلندی ہمیشہ یکساں رہی، ان کی فکر کا محور اور ان کی جدوجہد کا مرکز یہی رہا کہ مسلمان اس دین پر مضبوطی سے قائم رہیں، اور ان کی آئندہ نسل دین کی پاسدار رہے، ان کی پہلی تالیف حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت تھی جس میں دین کے لئے سرفروشی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا، اور ان کی آخری آواز "ماتعبدون من بعدی" کا سوال نامہ تھا، جس طرح حضرت یعقوبؑ نے اپنے افراد خاندان سے یہ نہیں پوچھا کہ میرے بعد تمہاری اقتصادی خوشحالی قائم رکھنے کا کیا ذریعہ ہوگا، تم آپس میں مل کر رہنا، اپنے دوست دشمن کو پہچاننا، بلکہ سب سے اہم سوال دل کو لگا ہوا، اور دماغ میں گونجنے والا سوال یہی تھا کہ تم میرے بعد اس دین پر قائم رہو گے یا نہیں، وہ مرنے سے پہلے اسی کا اطمینان چاہتے تھے، مولانا بھی اپنی قوم کے بارے میں یہی اطمینان چاہتے تھے، چنانچہ ان کی خواہش اور تمنا کے مطابق یہ کنبہ تیار ہوا جس کو ان کے افراد خاندان اور نیاز مند خدام دینی وثیقہ کے طور پر اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں، مولانا کی پوری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ یہی تھا اسی فکر اور اسی غم میں ان کی پوری زندگی بسر ہوئی۔

مولانا کی زندگی میں حالات کی تاریکی اور سیاسی سازشوں کی سرگرمی سیاہ سے سیاہ سے تر ہوتی رہی، مسلمانوں کو مسلمان رہ کر اس ملک میں باقی رہنے کے خلاف مکر وسازش کا ایک طوفان جو ۱۹۴۷ء سے اٹھا تھا وہ آندھی تیز تر ہوگئی، اس کی تاریکی بڑھتی رہی اس کے خطرات ہر طرف سے مسلمانوں کو اپنے گھیرے میں لیتے رہے، لیکن اللہ کے اس برگزیدہ اور مقبول بندہ نے دین حفاظت اور اس کی سربلندی کے لئے وہ کاوش کی جیسے کوئی شخص تیز آندھی میں اپنے دامن کے نیچے چراغ کو بجھنے سے بچانا چاہتا ہو، صحیح نیت، صدق احساس، اور

تعلق مع اللہ کا نتیجہ تھا بلا کسی پروپیگنڈہ اور خودنمائی کی ادنیٰ کوشش کے بغیر اللہ نے ان سے وہ کام لیا جو عرب وعجم دونوں کے لئے سربلندی کا باعث ہوا اور ان کی شخصیت "البیت یعرفه والحل والحرم" کا مصداق ہوگئی، اسی طرح قاضی محمد عدیل عباسی نے جو بنیاد ڈالی تھی اس میں صداقت وخلوصِ نیت کا وہ جوہر تھا جس نے اس کے کام کو مسلمانوں کی تاریخ کا جز بنادیا، اور "لوگ آتے گئے کارواں بنتا گیا"، جس شخص نے بھی جتنی کوشش کی جو سعی بھی بر آئی اس کو اللہ کی تائید حاصل رہی اور آج بھی جب کہ سب پاک روحیں جنھوں نے اس کا بیڑا اٹھایا تھا اس کی ابتدائی خدمت کی اور مسلمان نسل کو دین سے وابستہ رکھنے کی سعی کی تھی وہ سب اپنے رب حقیقی سے جا ملیں، اور یہ قافلہ اپنے سرگرمی کے ساتھ چل رہا ہے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی سرکردگی اور ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کی عملی جدوجہد سے یہ شمع آج بھی روشن ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ

شمع جلتی رہی ہوتا رہا محفل کو فروغ
آگ ملتی رہی پروانے کو پروانے سے

حضرات! ہندوستان میں مسلمانوں کی آئندہ نسلیں دین پر کس طرح قائم رہیں یہ فکر ہے جس کا عنوان "دینی تعلیمی کونسل" کی شکل میں ہم سب دیکھ رہے ہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ نے اپنے پہلے خطبہ میں جو بستی میں منعقد ہونے والی پہلی کانفرنس میں پیش کیا تھا اس میں اجمال کی تفصیل تھی کہ آزادی کے بعد مسلمانوں کو توقع تھی کہ وہ اپنے دین پر آزادی سے عمل کرسکیں گے اور آئندہ نسلیں اپنے عقیدے میں توحید ورسالت کی بنیاد پر قائم رہیں گی، اقتصادی حالت اگر کسی وقت پست ہوگئی تو بلند بھی ہوسکتی ہے سیاست کے بساط پر اگر ہمارے مہرے شکست کھا گئے تو پھر دوسری بساط بھی بچھ سکتی ہے، جنگ میں اگر ایک بار پسپا ہوئے تو دوسری بار فتح مند بھی ہوسکتے ہیں لیکن اگر ایمان اور عقیدہ سے ان کو بیگانہ کردیا گیا تو پھر کوئی بڑی سے بڑی ترقی، منصب، عہدہ اس کمی کو پورا نہیں کرسکے گا، دنیا میں یہ ملک اس لحاظ سے انوکھا ملک ہے جہاں یہ سازش تسلسل کے ساتھ نصف صدی سے قائم ہے کہ ایک عقیدہ، ایک میتھالوجی ایک طرح کی صنم پرستی ہر گھر کا عقیدہ ہو اور ہر فرد کا دین ہو، دنیا میں اس تنگ نظری کی کوئی مثال کہیں نہیں ملتی، ہاں روس میں کمیونزم کے ہمنی حصار زبان بندی کی تھی بلکہ اللہ کا نام لینے والی زبانیں کاٹ دی تھی، رسول اللہ ﷺ کے دین کو اپنا دین ماننے والوں کو نیست ونابود کرنے کی جبری کارروائیاں کی گئیں اور لاکھوں جانیں قربان ہوئیں، لیکن ان کے خاکستر میں جو دین کی چنگاری دبی ہوئی تھی وہ کبھی بجھ نہیں سکی، اور افغانستان میں جب روس کا حملہ ہوا ہے اور خود افغانی کمیونسٹوں نے روسی فوجوں کے لئے دروازے کھول دیئے تھے، اس وقت یہ بھی دیکھنے میں آیا جس کی اور تصدیق شدہ رپورٹیں موجود ہیں کہ روس کے فوجیوں میں جو نسلاً مسلمان تھے وہ افغانیوں سے قرآن کریم کا ایک نسخہ مانگتے تھے اور اس کے بدلہ میں اپنی بندوق اور ہتھیار پیش کردیتے تھے، انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا کہ

مٹ نہیں سکتا مسلمان، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ خلیل اور بلیل

دوسرے مغربی ممالک میں ایک قوم نہیں بستی بیسوں کی طرح قومیں مل جل کر رہتی ہیں ہر ایک کو اپنے مذہب کے مطابق زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اپنی تعلیم کے لئے مدرسہ بنانے اور اپنے شہری حقوق حاصل کرنے کی آزادی ہے، برطانیہ میں ۷۵ سے زیادہ مذاہب کے لوگ پائے جاتے ہیں اور سب اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں ان کے خلاف کبھی سازش نہیں کی گئی کہ ان کو زبردستی عیسائیت کی کسی شاخ سے وابستہ کیا جائے، آج بھی وہ اپنے طرز پر پیدائش اور مدت کے رسوم ادا کرتے ہیں اپنی صنم پرستی پر قائم ہیں، مسلمان اپنی مسجدیں بناتے ہیں، وعظ وتقریر کی مجلسیں ہوتی ہیں، ہر طرح کی مسلم جماعتیں اپنے اپنے طرز اور اپنی بقاء کا انتظام کرتی ہیں، حکومتِ وقت صرف یہی نہیں کہ ان کو عقیدہ اور خیال کی آزادی دیتی ہو بلکہ اپنے بنیادی قانون کے مطابق ہر ایک کو زندہ رہنے کا حق بھی دیتی ہے، ہزاروں افریقن اور انڈین شرق اوسط اور شرق بعید کے باشندے علاج، غذا، اور تعلیم کی وہ سہولت حاصل کررہے ہیں، کوئی ان کی صورتیں دیکھ کر ان کے مرکز عقیدت کو جان کر ان پر حرف گیری نہیں کرتا، شرق اوسط کے ایک بہت ہی چھوٹے سے ملک لبنان میں عیسائیوں کے اٹھارہ فرقے موجود ہیں، اور سب اپنے اپنے آئین کے مطابق زندگی گزارتے آئے ہیں اور ان میں کبھی تصادم نہیں ہوا، ملیشیا جہاں صرف مسلمانوں کی اکثریت ہے اور جس کی حکومت مسلم حکومت شمار ہوتی ہے وہاں بے شمار مندر بھی ہیں پاٹھ شالے بھی ہیں اور گردوارے بھی ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہیں بدقسمتی سے صرف یہ ملک ہے جہاں چین کے بعد ایشیا کی سب سے بڑی آبادی ہے وہاں ایک مذہب کی نہیں بلکہ ایک ذات کی حکومت کو پورے ملک کا آئین بنانا طے کرلیا گیا ہے، یہ بات اگرچہ انوکھی اور ہٹ دھرمی کی ہے، مگر واقعہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں، مسلمانوں نے اس ملک کو کبھی پردیس نہیں سمجھا اپنا دیس سمجھا اور واقعتاً یہ ملک ان کا اسی طرح دیس ہے جیسے کہ برہمن یا اچھوت کا وطن ہوسکتا ہے، بعض مدبرین سیاست کا خیال ہے کہ یہ صرف سیاسی سازش ہے اور مسلمانوں کے خلاف جو نفرت کے بیج تقسیم ملک نے بوئے تھے اس کو اپنے الیکشن کے خاطر لوگ اس کی کاشت کرنا چاہتے ہیں، بہر حال سبب جو بھی ہو، ہم اس غلط اور بے انصافی کی صورت حال کا شکار ہیں، اللہ نے اپنے جن برگزیدہ بندوں کو

اس خطرہ سے آگاہ کیا، جس نے ان کو زندگی بھر بے چین رکھا اور ہمیشہ قانون اور حدود کے اندر رہ کر حالات کا مقابلہ کرتے رہے، اسی نقش قدم پر ہمیں چلنا ہے اور اپنی جدوجہد کو زیادہ بڑھانا ہے، اب ہمارے اندر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی قدس سرہ نہیں ہیں، مولانا منظور نعمانی نہیں رہ گئے، قاضی محمد عدیل عباسی نہیں ہیں، مولانا محمود الحسن، وکیل ظفر احمد صدیقی پرنسپل ریاض الدین احمد اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی بھی رخصت ہوئے، اور پچھلے تمام سرگرم ارکان اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اب ان کے اخلاف ہیں جنہوں نے مسلم نسل کی حفاظت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے، آج وہ لوگ اس شہر میں اس بات کا اعلان کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ ''دینی تعلیمی کونسل'' دین پر قائم رکھنے کے لئے اپنی خدمت کا سلسلہ قائم رکھے گی۔

حضرات! اس نصف صدی میں بہت سی تبدیلیاں پیش آئیں، مختلف پارٹیاں سیاست کے اسٹیج پر ظاہر ہوئیں اور پس پردہ ہوگئیں، ملک نے بلاشبہ ترقی کی ہے، سیاسی استحکام اور انتظامی معاملات میں جو کچا پن تھا وہ کچھ کم ہوا ہے اگرچہ ابھی تک آزاد ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ نہیں کرسکا، رشوت کی ریل پیل یہاں اب بھی باقی ہی نہیں بلکہ شباب پر ہے، جب کہ یورپین ممالک میں عوامی سطح سے یہ بات ختم ہو چکی ہے، کروڑوں اور اربوں کا غبن ہوتا رہتا ہے، لیکن عوام کی زندگی پر ملاوٹ کا مال اور دھوکہ دہی کے واقعات اس طرح سامنے نہیں آتے جس طرح اس ملک میں دیکھے جاتے ہیں، وہاں چوریاں اور ڈاکہ زنی اربوں اور کھربوں کی مقدار میں ہوتی ہے اور یہاں چند پیسوں کی رشوت بھی جاری ہے انصاف پہلے بھی مہنگا تھا، اب زیادہ گراں ہو چکا ہے، تعلیم کی سہولت یورپ، افریقہ کے ممالک میں اس طرح ہے جیسے ہوا اور پانی، لیکن اس ملک میں اس کی گرانی بڑھتی جارہی ہے، سرکاری تعلیم کا جو ڈھانچہ شروع میں قائم ہوا تھا اور اس کی جو بنیادیں تھیں اس پر آج بھی قائم ہے، دینی تعلیمی کونسل کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت نے کچھ بند باندھا اور وندے ماترم کا مشرکانہ نعرہ جو تمام مدارس کے لئے لازمی قرار دیا جاچکا تھا وہ ان کے بروقت اقدام سے ختم کیا گیا، لیکن تمام ملک کے باشندوں کو جس سے مسلمان مستثنیٰ نہیں ہیں شرک کے زہریلے انجکشن دیئے جارہے ہیں اور ان کو دین سے بیگانہ رکھنے کی کاوش تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور یہی نہیں کہ اسلام کی غلط تصویر غلط انداز اور انتہائی متعصبانہ رنگ میں عام کی جارہی ہے، اب ہماری آئندہ نسل کے لئے دو راہیں ہیں یا تو اعلیٰ ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے کے لئے، سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھنے کے لئے انہی اسکولوں کا سہارا جس کی ابتدا ہمارے عقائد پر حملہ کی شکل میں ہوتی ہے، یا پھر اعلیٰ تعلیم کے امکانیات کو نظر انداز کرکے دینی مدارس میں فقہ وفتاویٰ کی کتابیں پڑھیں اور آپس میں لڑیں، اور عملی زندگی سے بالکل کٹ کر رہ جائیں، اور جہاں تک زبان کا تعلق ہے ہم ایک نئی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے مخالف نہیں بلکہ حامی ہیں، بلکہ فارسی، ترکی، انڈونیشی زبانوں میں اسلامی لٹریچر موجود ہے، اور قرآن کریم کے ترجمے سات سو زبانوں میں ہو چکے ہیں جس میں ہندی بھی داخل ہے تو اس کے پھیلاؤ کو ہم برا نہیں سمجھتے بلکہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، ہندی ہی نہیں بلکہ سنسکرت ادبیات میں ہمارے نوجوان اپنے ہم وطنوں سے آگے بڑھ جائیں یہ ہمارے لئے کوئی تشویش کی بات نہیں بلکہ خوبی کی بات ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ایسا ہو لیکن اس کو بے دینی کے داخل ہونے کا پل نہیں بنانے دیں گے، آج شرق اوسط میں دس یونیورسٹیاں ایسی ہیں جہاں ہیبرو اسٹڈیز کا شعبہ قائم ہے، اور اس کو چلانے والے عبرانی زبان کے ماہر مسلمان ہیں، اور اس کی زبان دانی سے مسلم معاشرہ کو کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ دعوت دین کا ایک ذریعہ ہے اسی طرح ہمارے بچے سرکاری زبان میں مہارت پیدا کریں اور صدیوں پہلے کی زبان اور محاورے کو زندہ کرنے میں مدد دیں اور نئی ایجادات کے لئے اسی طرح کے ماخذ سے مدد لیں تو ہمیں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ان قدیم زبانوں کو دین اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کیا جائے، اور اس کو وہ رخ دیا جائے کہ بچے خود بہ خود دین سے نفرت کرنے لگیں تو یہ سودا مہنگا پڑے گا، اور ہم اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتے، ہمارے بزرگوں نے جن کی قائم کردہ دینی تعلیمی کونسل آج بھی زندہ ہے، اور انشاء اللہ زندہ رہے گی اس کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان بچے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم سے محروم نہیں رہیں، اور دوسری طرف دین سے بھی بیگانہ نہ ہوں۔ قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے اس خطرہ کو آج سے پچاس سال پہلے اپنے تجربہ کی نگاہوں سے دیکھ لیا تھا اور حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ نے آگے بڑھ کر نا صرف اس کی تائید کی بلکہ دل وجان سے ہمنوا اور مؤید ہو گئے، اس کا سبب صرف یہ تھا کہ موجودہ نسل کسی دوسری مینٹالوجی کو عقیدہ کی بنیاد نہیں بنا سکتی، مجھے امید ہے کہ اس جلسہ میں جو انتظامیہ کی رپورٹیں پڑھی جائیں گی، وہ آپ کے لئے اور ہمارے لئے چشم کشا ثابت ہوں گی، ہم ان الفاظ کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ مجھے اس اجلاس کے افتتاح کی آپ نے عزت بخشی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا ہمارا اور سب مسلمانوں کا حامی وناصر ہو۔

●●●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار العلوم ندوۃ العلماء میں شفاخانہ (ہاسپٹل) کا سنگ بنیاد

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ایک بین الاقوامی تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے، جو اپنی تعلیم وتربیت اور علمی وثقافتی خدمات کی وجہ سے چار دانگ عالم میں مشہور ومعروف ہے، یہاں کے فارغین اور فضلاء پورے عالم میں دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ دنیا کے مختلف خطوں سے شائقین علم اپنی علمی پیاس بجھانے اور دین وشریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اس کے کیمپس میں اساتذہ وطلبہ اور ملازمین واسٹاف کی ایک بڑی تعداد رہتی ہے، جن کے دواعلاج اور صحت وتندرستی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اور انتظامیہ انہیں ہر طرح کے امراض اور مختلف بیماریوں سے بچانے کے لئے کوشاں رہتی ہے، اور بیمار پڑنے کی صورت میں دواعلاج کا معقول نظم کیا جاتا ہے۔

اس مقصد سے یہاں پہلے ہی سے ''دار الشفاء'' کے نام سے ایک ڈسپنسری قائم ہے، جہاں جز وقتی ہومیو پیتھ اور ایلو پیتھ ڈاکٹرس حضرات باری باری سے تشریف لاتے ہیں اور بیماروں کا علاج کرتے ہیں، لیکن ضرورت تھی کہ ایک کل وقتی ہاسپٹل کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں ہر طرح کی جدید سہولیات سے آراستہ نرسنگ ہوم کے طرز کا شفاخانہ ہو، تاکہ رات اور دن کے کسی بھی حصہ میں جس کو بھی ضرورت پیش آئے تو باہر جانے کی نوبت نہ آئے اور اس کا معقول علاج کیمپس کے اندر ہی ہو جایا کرے، خاص طور سے احاطہ میں مقیم طلبہ واساتذہ اور اسٹاف ملازمین کو باہر کسی نرسنگ ہوم میں ایڈمٹ ہونے میں جو دشواری پیش آتی ہے اس سے راحت ملے اس طرح کے ایک ہاسپٹل کے قیام کی تجویز عرصہ سے ذمہ داران کے پیش نظر تھی، اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اصحاب خیر حضرات کی امداد واعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے اور ایک شفاخانے کے قیام کا فیصلہ کرلیا گیا۔

چنانچہ اس مقصد سے مورخہ ۲۹ رصفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۹ راپریل ۲۰۰۵ء بروز شنبہ ایک شفاخانہ (ہاسپٹل) کا سنگ بنیاد ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، معتمد تعلیم ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، معتمد مال پروفیسر وصی احمد صدیقی اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کے ہاتھوں دفتر نظامت اور مسجد کے درمیان خالی پڑی آراضی پر رکھا گیا۔ یہ شفاخانہ جدید طرز کا دومنزلہ اور جدید طبی سہولیات سے مزین ہوگا، اس میں ایکسرے اور دیگر ضروری مشینیں بھی مہیا کرائی جائیں گی۔ اس کی تعمیر میں ایک سال کا وقت لگے گا۔ سنگ بنیاد کے موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب مہتمم مولانا مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا اقبال احمد ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، انجینئر جناب امتیاز احمد صاحب، جناب رئیس احمد صاحب اور جناب فضل الباری صاحب سمیت بہت سے حضرات موجود تھے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کی دعاء پر تقریب کا اختتام ہوا۔

اہل خیر حضرات سے مخلصانہ گذارش ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح اس نیک کام میں تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، اور اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کا سامان کریں۔ اپنے کسی مرحوم عزیز کے ایصال ثواب کی نیت سے بھی اس کار ثواب میں شرکت کی جاسکتی ہے۔

(جناب مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی (مدظلہ العالی)
ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، پوسٹ باکس: ۱۱۹، لکھنؤ سے رابطہ کا پتہ
Web Site : WWW.airpindia.com E-mail : info@airpindia.com
Ph. : 0522-2741539, Fax : 0522-2740806. Mob. : 9335223411

مندرجہ ذیل نمبرات پر رئیس التحریر تعمیر حیات سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ ای۔میل سے مضامین بھی بھیجے جاسکتے ہیں
اور ٹیلیفون نمبرات پر محض کوئی سندیسہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

عالم اسلام

فلسطین: ماضی اور حال کے آئینہ میں

سید ولی حسن ندوی

مسلمانوں کا فلسطین اور بیت المقدس سے قبلی تعلق ہے، اس لئے کہ اس سرزمین کو کئی لحاظ سے فضیلت اور اہمیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے کبھی اس کو "الأرض المقدسة" سے تعبیر کیا ہے تو کہیں اس کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ "بارکنا حولہ" (مسجد اقصیٰ کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنایا ہے) مفسرین کے مطابق یہاں مادی اور معنوی دونوں طرح کی برکتوں کا ذکر ہے، مادی برکتیں جیسے انواع واقسام کے پھل، نہریں، زمین کا سرسبز وشاداب اور زراعت کے قابل ہونا وغیرہ، معنوی برکتیں یہ کہ انبیاء ومرسلین کی سرزمین اور ان کا مدفن ہے، رسول اللہ ﷺ کی "اسراء" کے اختتام کی جگہ ہے، "معراج" کی ابتدا یہیں سے ہوئی، یہیں رسول للہ ﷺ نے سارے انبیاء کی امامت فرمائی، ایک مدت آپ (ﷺ) اور ان کے اصحاب کرامؓ نے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نمازیں ادا کیں، اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حرمین کے بعد سب زیادہ ہے، اسی وجہ سے اس کو "تیسرا حرم" بھی کہا جاتا ہے، روئے زمین پر تعمیر ہونے والی دوسری مسجد یہی "مسجد اقصیٰ" ہے، اس کو اللہ کے رسول ﷺ نے "حشر ونشر کی جگہ" بتائی ہے، یہ بھی فرمایا کہ جس کو جنت کا کوئی حصہ دیکھنا ہے وہ بیت المقدس کو دیکھ لے، اس سرزمین سے مسلمانوں کی قلبی اور روحانی وابستگی کے لئے ان میں سے کوئی ایک فضیلت ہی کافی تھی، جبکہ اتنی ساری فضیلتیں اور خصوصیات! یہی وجہ ہے کہ فلسطین کی موجودہ صورت حال سے ہر ایک مسلمان دکھی اور غمزدہ ہے، یہ تو سارے لوگ جانتے ہیں کہ یہودیوں نے اس پر غاصبانہ قبضہ کررکھا ہے، مگر اس سرزمین کی تاریخ اور فلسطین کے صحیح قضیہ سے ہمارا اردو داں طبقہ عموماً ناواقف ہے، مگر عالم اسلام کی موجودہ صورتحال پر اس تجزیہ وتبصرہ کے بعد کہ "امریکہ یا یورپین ممالک مغربی ایشیا میں کسی بھی ایسے ملک کو برداشت نہیں کریں گے جو آج یا مستقبل میں کبھی اسرائیل کے لئے پریشانی کا سبب بننے کی امید ہو، اس لئے وہ اس علاقہ کو بالکل "صاف ستھرا" اور چھوٹا یا بڑا ہر قسم کے اسلحہ کی "آلودگی" سے پاک بنانا چاہتے ہیں" بہت سے لوگوں کے ذہن فلسطین کے مسئلہ کو جاننے کی خواہش رکھتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا ہم لوگ اس قضیہ سے بالکل ہی نابلد ہیں لیکن تعلیم یافتہ اور مثقف طبقہ کی طرف سے بھی مختلف سوالات یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ زیادہ تر افراد اس مسئلہ کے صحیح رخ سے واقف نہیں ہیں، اسی لئے میرا ای خواہش ہوئی کہ ایک چھوٹا سا مضمون اس سلسلہ میں لکھنے کی کوشش کی جائے۔

فلسطین ایشیا کے مغربی حصہ میں واقع ہے، اس کو مشرق سے اردن اور سوریا، مغرب سے بحر ابیض، شمال سے لبنان اور جنوب سے خلیج عقبہ گھیرے ہوئے ہے، فلسطین کے جنوب مغرب میں مصر ہے، اس کا زمینی رقبہ تقریباً ۲۷۰۰۰ مربع کیلومیٹر ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ فلسطین کی تاریخ مسجد اقصیٰ کی تعمیر سے شروع ہوجاتی ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی؟ فرمایا: "مسجد حرام" میں نے عرض کیا: پھر کون سی؟ فرمایا: "مسجد اقصیٰ" میں نے پوچھا: دونوں کی درمیانی مدت کتنی تھی؟ فرمایا: "چالیس سال" (بخاری ومسلم) ابن ہشام نے کتاب "التیجان" میں ذکر کیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کرلیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور کہا کہ وہاں بھی ایک (اللہ کا) گھر تعمیر کیجئے، روایت کے مطابق آپؑ نے ایک گھر تعمیر کرکے وہاں عبادت کی۔

باضابطہ طور پر فلسطین کا قدیم ترین ذکر "کنعانیوں کے ملک" کے نام سے ملتا ہے، عہد قدیم (توراۃ) میں اس سرزمین کو "ارض کنعان" یا "کنعانیوں کا ملک" کہا گیا ہے، یہاں بسنے والے کنعانی عرب قدیم عربی زبان بولا کرتے تھے، ان کی عربی زبان قرآن کریم کی زبان یا دوسرے لفظوں میں موجودہ عربی زبان سے مختلف تھی، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ اس ملک کے اصلی باشندے ہیں بالکل غلط ہے، کنعانیوں نے کئی شہر آباد کئے جو اس وقت کی تہذیب وتمدن کے گہوارے سمجھے جاتے تھے، جیسے: اریحا، عسقلان، سامرۃ، نابلس، الخلیل وغیرہ، کنعان کی ایک شاخ "یبوس" کے بادشاہ "سالم" نے اپنے نام پر ایک شہر آباد کیا، جسے "اور سالم" کہا جاتا تھا، "اور" کے معنی شہر اور "سالم" کے معنی سلامتی، یعنی سلامتی کا شہر، یا سالم (بادشاہ) کا شہر، سالم ایک نیک بادشاہ تھا، اس نے ایک اونچے پتھر (صخرہ) پر مسجد بنائی، مؤرخین کا

خیال ہے کہ طوفان نوح کے بعد یہ مسجد بالکل ختم ہوگئی تھی، صرف "صخرہ" (پتھر) کا نشان باقی تھا، اس نے اسی جگہ مسجد تعمیر کی، اس کے بعد بادشاہ "ملکی صادق" جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کا ایک صالح بادشاہ تھا اس نے اس عبادت گاہ کی تجدید کی، یہاں پر اس اشکال کا کہ بیت المقدس کی تعمیر تو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے کی تھی یہی جواب دیا جاتا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبہ کو اپنی اصلی جگہ پر تعمیر کیا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد نے بیت المقدس کو بھی اپنی پرانی اصلی جگہ پر تعمیر کیا، واللہ اعلم، اسی "اور سالم" کو قدیم کنعانی عربی میں "اور شلیم" کے تلفظ کے ساتھ ادا کیا جاتا تھا، اسی قدیم عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کرکے ارض کنعان (فلسطین) تشریف لائے، حضرت قتادہ مفسر کہتے ہیں کہ "حضرت ابراہیمؑ عراق میں تھے وہاں سے "ارض مقدسہ" تشریف لائے"، توراۃ میں ہے کہ ایک کنعانی یبوسی بادشاہ ملکی صادق نے آپ کا خیر مقدم کیا اور بہت آؤ بھگت کی، آپ پھر یہاں سے اپنی زوجہ محترمہ "سارہ" کے ساتھ ہجرت کرکے مصر گئے، مصر میں ان کا بادشاہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، بہرحال مصر کے بادشاہ نے انہیں ایک باندی تحفۃً پیش کی جن کا نام "ہاجر" تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح فرمالیا، مصر میں کچھ مدت گذارنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس ارض کنعان (فلسطین) لوٹ آئے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے، گویا اسی جگہ کو اپنا وطن بنالیا، یہیں حضرت ہاجرہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام (ہمارے رسول اکرم ﷺ کے جدّ امجد) دنیا میں تشریف لائے، کچھ مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی حضرت سارہ کے یہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، بعد ازاں حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے عیسو اور یعقوب جڑواں پیدا ہوئے، آخر الذکر ہی کا نام "اسرائیل" بھی تھا، جس کے معنی ہے: "خدا کا بندہ"، یہودیوں نے انہیں کی طرف نسبت کرکے اپنے موجودہ ملک کا نام "اسرائیل" رکھا ہے۔

حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کی دو بیویوں "بلھہ" اور "زلفہ" سے دس بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑے کا نام "یہودا" تھا، ایک قول کے مطابق لفظ "یہودیت" انہی کی طرف منسوب ہے، حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام نے دوسری شادی اپنی ماموں زاد "راحیل" سے کی جن سے "بنیامین" اور حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام تقریباً ۱۹۰۰ق م میں ارض کنعان (فلسطین) سے اپنے خاندان کے ساتھ مصر تشریف لے گئے، مصر میں بنی اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام کی آل اولاد) خوب پھلی پھولی یہاں تک کہ اس فرعون کا دور آیا جس نے بنی اسرائیل کو ہر طرح سے ستایا اور ظلم وبربریت کی تاریخ میں اپنا نام "سنہرے لفظوں" میں لکھوا گیا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور باشندگان مصر کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت فرمائی، تقریباً ۱۳۰۰ق م میں انہوں نے اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر ارض مقدسہ (فلسطین) کی طرف قصد کیا تاکہ اسے فتح کریں، بنی اسرائیل نے اپنی عادت کے مطابق یہاں پر بھی سرکشی اور نافرمانی کا ثبوت دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ارض مقدسہ (فلسطین) کی فتح چالیس سال تک مؤخر فرمادی اور انہیں وادی "تیہ" میں بھٹکا دیا، اسی اثناء حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا اور نبوت کا بار حضرت یوشع بن نون کے کاندھوں پر آیا، چالیس سال تک وادی "تیہ" میں بھٹکتے رہنے کے بعد تقریباً ۱۱۸۹ق م میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں ارض مقدسہ کی فتح ہوئی، بنی اسرائیل وہاں کے اصلی باشندے کنعانیوں کے ساتھ مل کر رہنے لگے، ان کی زبان سیکھی، زراعت اور مختلف پیشہ وہنر سیکھ کر ان کا ساتھ دیتے رہے یہاں تک کہ تقریباً ۱۰۵۰ق م میں حضرت طالوت کی قیادت میں ان کی پہلی حکومت قائم ہوئی، اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا دور آیا جنہوں نے کنعانیوں اور یبوسیوں کے ظالم اور متمرد بادشاہ جالوت کو قتل کرکے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی اور تقریباً ۱۰۰۰ق م سے ۹۶۰ق م تک حکومت کی، ان کے بعد ۹۶۰ق م سے تقریباً ۹۳۰ق م تک ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت رہی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ حکومت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی:

(۱) مملکت اسرائیل: جس کا دارالسلطنت شمال میں "سامرۃ" تھا

(۲) مملکت یہودا: جس کا دارالسلطنت جنوب میں "قدس" تھا

بابل (عراق) کے بادشاہ بخت نصر نے ۵۸۶ق م میں ان کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ہیکل سلیمانی کو جلا کر راکھ کردیا، روایت کے مطابق اس کی بنیاد کو بھی کھدوا کر ختم کرادیا تاکہ اس کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے، اس کے علاوہ اپنے ساتھ دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا۔

بابلیوں نے ۵۸۶ق م سے ۵۳۸ق م تک

حکومت کی، پھر شہنشاہ فارس (ذوالقرنین، سائرس اعظم یا جو بھی ہو واللہ اعلم) کا دور آیا جنہوں نے عراق فتح کیا تو یہودیوں کو رہائی دلائی اور وہ دوبارہ فلسطین میں جا بسے، ہیکل سلیمانی بھی تعمیر کرلیا۔ فارسیوں نے ۳۳۲ق م تک حکومت کی۔

سکندر اعظم یونانی نے ۳۳۲ق م میں فلسطین کو فتح کیا اور ۱۶۶ق م تک یونانیوں نے اس پر قبضہ جمائے رکھا، پھر یہود اس پر قابض ہوئے لیکن ۶۳ق م میں فلسطین بت پرست رومیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، انہی کے دور میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بیت اللحم میں پیدائش ہوئی، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ستایا اور ان کے ساتھ سازشیں کیں، بلکہ اپنے گمان میں ان کو سولی پر بھی لٹکوا دیا، بہر حال یہ ایک الگ مسئلہ ہے، بت پرست رومیوں کے ہی عہد (۷۰-۶۶ء) میں یہودیوں نے بغاوت کی تو رومی سپہ سالار ٹائٹس نے یروشلم (بیت المقدس) کو تباہ و برباد کر دیا اور ہیکلِ سلیمانی تاریخ میں دوبارہ مسمار کر دیا گیا، آج اس کی صرف ایک دیوار باقی ہے جسے: ''دیوارِ گریہ'' کہتے ہیں، یہودیوں کی دوسری بغاوت (۱۳۵-۱۳۷ع) کی وجہ سے شہنشاہ ہیڈرین نے انہیں فلسطین سے جلاوطن کر دیا، بت پرست رومیوں کا دور ۳۲۳ء تک رہا، یہی وہ عہد ہے جس میں یہودیوں کے مختلف گروہ ''وادی قریٰ''، ''خیبر''، ''فدک''، ''تیماء'' اور ''یثرب'' (مدینہ منورہ) وغیرہ کی طرف ہجرت کر گئے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا اسی عہد سے یہود پوری دنیا میں آوارہ گردی کرتے اور مارے مارے پھرتے رہے یہاں تک کہ برطانوی سامراج نے ان کو فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔

رومی شہنشاہ قسطنطین کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد اس خطہ میں عیسائیت کے فروغ کا راستہ کھل گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور یورپ کے باشندوں کی بھاری اکثریت عیسائی ہوگئی، بیت اللحم، یروشلم، الخلیل کے علاوہ فلسطین کے دیگر شہروں میں بھی بڑے آن بان کے ساتھ گرجے تعمیر کئے گئے، اس عیسائی رومن دور (۳۲۳-۶۱۴) میں بھی یہودیوں کو فلسطین میں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت نہیں ملی۔

اس کے بعد نہایت کم عرصوں کے لئے (۶۱۴-۶۲۸ء) فلسطین فارسیوں کے زیرِ حکومت رہا، پھر ''بیزنطینیوں'' نے اس پر قبضہ کرلیا، یہ بھی زیادہ دنوں (۶۲۸-۶۳۷ء) تک اس پر قبضہ نہیں رکھ سکے، صرف گیارہ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (۶۳۷ء) میں اللہ تعالیٰ نے اس پر مسلمانوں کو فتح دلوادی، یروشلم ''بیت المقدس'' کہلانے لگا، مسلمانوں نے یہاں عہدِ اموی میں مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کروائی، اس اسلامی دور میں فلسطین کے باشندے بتدریج عیسائیت چھوڑ کر اسلام کے محفوظ دائرے میں آگئے اور عیسائی معمولی ''اقلیت'' میں رہ گئے۔

اس کے بعد سے فلسطین مسلمانوں کے پاس ہی رہا یہاں تک کہ ۱۱۰۰ء میں صلیبیوں نے اس پر دھاوا بول کر مسلمانوں سے چھین لیا، اس دور میں روایت کے مطابق مسلمانوں کا بیت المقدس کی گلیوں میں اونٹ کے ٹخنوں تک خون بہا، اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ صلیبی، مسلمانوں سے انتقام لینے کے چکر میں ظلم و بربریت کے کس دہانے پر پہنچ گئے تھے، اس کے برعکس سلطان صلاح الدین ایوبی سے فتح کے بعد ان کی فوج کے کچھ افراد نے یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں صلیبیوں کے قتلِ عام کی اجازت دیجئے تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو، سلطان صلاح الدین نے سختی سے منع کر دیا، صرف یہی نہیں بلکہ ان سے دوسرے مطالبہ کو بھی کہ ہمیں صرف اتنا خون بہانے کی اجازت دیجئے جتنا انہوں نے مسلمانوں کا بہایا تھا سلطان نے رد کر دیا اور سارے لوگوں کے ساتھ انصاف کا حکم دیا۔

۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کو صلیبیوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک کرایا، اس طرح فلسطین ۱۹۱۷ء تک مسلمانوں کے پاس رہا، یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں کی اپنی حکومتیں بدلتی رہیں، کبھی ممالیک آئے تو کبھی کوئی، یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء میں برطانوی سامراج نے فلسطین میں اپنا پنجہ گاڑ دیا، اس وقت فلسطین سلطنت عثمانیہ کے زیرِ تصرف تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''اسرائیل'' کے قیام کے سلسلہ یہودیوں کی کوششوں کو بیان کرنے سے پہلے ایک مختصر سا چارٹ پیش کر دیا جائے جس میں کنعانی دور سے موجودہ دور تک فلسطین پر حکومت کرنے والوں کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر ہو:

۱- کنعانی عرب: ۰۰۰ - ۱۰۵۰ق م
۲- بنی اسرائیل: ۱۰۵۰-۵۸۶ق م (۴۶۴ سال)
۳- بابلی عہد: ۵۸۶-۵۳۸ق م (۵۰ سال)
۴- فارسی دور: ۵۳۸-۳۳۲ق م (۲۰۶ سال)
۵- یونانی دور: ۳۳۲-۱۶۶ق م (۱۶۶ سال)
۶- عہدِ یہود: ۱۶۶-۶۳ق م (۱۰۳ سال)
۷- بت پرست رومن دور: ۶۳-۳۲۳ء (۳۸۶ سال)
۸- عیسائی رومن دور: ۳۲۳-۶۱۴ء (۲۹۱ سال)
۹- عہد فارسی (دوم): ۶۱۴ - ۶۲۸ء (۱۴ سال)
۱۰- بیزنطینی دور: ۶۲۸ - ۶۳۷ء (۱۱ سال)
۱۱- عہد اسلامی (اول): ۶۳۷-۱۱۰۰ء (۴۶۳ سال)
۱۲- صلیبی دور: ۱۱۰۰ - ۱۱۸۷ء (۸۷ سال)

۱۳- عہد اسلامی (دوم): ۱۱۸۷-۱۵۱۷ء (۳۳۰ سال)
۱۴- عہد اسلامی (سوم | دورِ عثمانی): ۱۵۱۷ - ۱۹۱۷ء (۴۰۰ سال)
۱۵- برطانوی سامراج: ۱۹۱۷-۱۹۴۷ء (۳۰ سال)
۱۶- صیہونی یہودی دور: ۱۹۴۷ء - تاحال

۱۸۸۵ء میں پنسلوانیا امریکہ میں یہودیوں کی سب سے پہلی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں انہوں نے اپنی اقتصادی، اور معاشرتی صورتِ حال کا جائزہ لیا مگر اس کانفرنس میں ان کی طرف سے اپنی سیاسی زبوں حالی کے بارے میں کسی قسم کی سوچ و فکر کا ذکر نہیں ملتا، ۱۸۹۵ء میں ایک صیہونی یہودی تھیوروڈ ہرٹزل (۱۸۶۰ء - ۱۹۰۴ء) کی کتاب ''یہودی سلطنت'' شائع ہوئی، یہ کتاب گویا کہ ''اسرائیل'' کے قیام کا نقطۂ آغاز تھی، اس کتاب میں بغیر کسی جگہ کے تعین کے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہودیوں کے لئے اپنا ایک ملک ہونا نہایت ضروری ہے۔

۱۸۹۷ء میں سوئیزرلینڈ کے شہر ''باسل'' میں پہلی صیہونی کانفرنس تھیوروڈ ہرٹزل کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں بدنامِ زمانہ پروٹوکولز (دستاویزات) مرتب کئے گئے، ان کاوشوں میں امریکی یہودی پیش پیش تھے، ان پروٹوکولز (دستاویزات) کے تحت یہ طے پایا کہ یہود کس طرح دنیا میں ''اقلیت'' ہونے کے باوجود اقوامِ عالم کی زمام کار اپنے نادیدہ ہاتھوں میں لے کر پوری دنیا پر حکمرانی کر سکتے ہیں، اس کانفرنس میں مختلف ممالک میں کام کرنے والی پچاس صیہونی کمیٹیوں کے دو سو چار ممبر شریک ہوئے، انھوں نے یہودیوں کے لئے ایک ''قومی وطن'' کے وجود پر زور دیا اور اس سلسلہ میں آپس میں تبادلہ خیال کیا، تجویز میں مندرجہ ذیل پانچ جگہوں کا نام آیا کہ ان میں سے کسی ایک کو اپنا ''قومی وطن'' بنایا جائے:

(۱) یوگنڈا (۲) مورشیس (۳) جنوبی ارجنٹائینا (۴) قبرص (۵) فلسطین

لیکن ہرٹزل نے فلسطین کا انتخاب یہ کہہ کر کیا کہ یہ ہمارے باپ دادا کی زمین (جگہ) اور ''ارضِ موعود'' ہے یعنی اللہ نے اس جگہ کو واپس لوٹانے کا وعدہ کیا ہے، کانفرنس کے اختتام پر ہرٹزل نے بیان دیا کہ ''اگر ہم مختصر میں اس کانفرنس کی روداد بتانا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''باسل'' میں ''یہودی سلطنت'' قائم ہو چکی ہے اور آج سے ٹھیک پچاس سال بعد ساری دنیا اس ''یہودی سلطنت'' کا ضرور مشاہدہ کرے گی'' اس کی بات صحیح ثابت ہوئی جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں پر لفظ ''صہیونیت'' اور ''یہودیت'' کی تشریح کر دی جائے، ایک یہودی دانشور ہی کے مطابق یہودی وہ ہے جو ''یہودیت'' (یہودی مذہب) پر پورا ایمان رکھے چاہے اس کا وطن کہیں بھی ہو، جب کہ صیہونی صرف وہی انتہا پسند کہلائیں گے جو فلسطین کو یہودیوں کا ''قومی وطن'' مانتے ہیں اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں، صیہونی فلسطین میں موجود جبل صہیون کی طرف انتساب ہے۔

چنانچہ اس کانفرنس کے بعد صیہونیوں نے ''اسرائیل'' کے قیام کے لئے کوششیں شروع کر دیں، ۱۹۰۱ء میں ہرٹزل نے عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید سے ملاقات کی تاکہ ان سے یہودیوں کے لئے فلسطین کی طرف ہجرت کی اجازت حاصل کر سکے مگر سلطان نے اس پیشکش کو سختی سے رد کر دیا، ۱۹۰۲ء میں ہرٹزل دوبارہ سلطان عبدالحمید سے یہی درخواست لے کر ملا اور انہیں مال و دولت کی لالچ دے کر ورغلانے کی کوشش بھی کی، سلطان سخت برہم ہوئے اور کہا: ''اللہ کی قسم اگر تم لوگ مجھے سونے کا پہاڑ بھی دو تب بھی میں اسلام کی سرزمین میں سے ایک بالشت دینے کو تیار نہیں ہوں، یہ سودا میرے پاس کیسے پہنچ گیا، اس کو باہر نکالو، اس کو باہر نکالو'' نتیجۃً یہ لوگ سلطان اور سلطنت عثمانیہ کے درپے ہو گئے، ۱۹۰۸ء میں دونمہ کے یہودیوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، دونمہ کے یہودی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے حالانکہ درحقیقت وہ یہودی تھے، ۱۹۰۹ء میں ان باغیوں نے سلطان عبدالحمید سے زبردستی استعفیٰ لے کر انہیں سالونیک (یونان) جلاوطن کر دیا، اس کے بعد یہودی مہاجروں کی فلسطین آمد شروع ہوگئی۔

۲/۱۱/۱۹۱۷ء کو برطانیہ کے وزیرِ خارجہ ''بالفور'' نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے بعد اعلان کیا کہ ''سلطنت برطانیہ اس بات کو بہت اچھی نظر سے دیکھتی ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک ''قومی وطن'' بنایا جائے، سلطنت اس کے قیام کے لئے اپنا سارا زور صرف کرے گی اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی امداد فراہم کرے گی'' تاریخ میں اس منحوس اعلان کو ''اعلان بالفور'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۱۱/۱۲/۱۹۱۷ء میں عراق اور شرقِ اردن کے ساتھ فلسطین پر بھی برطانیہ کا قبضہ ہوگیا، برطانوی جرنیل ایلنبی بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوا تو اس نے فخر و غرور سے کہا کہ ''اب صلیبی جنگیں ختم ہوگئیں، میں آخری صلیبی فاتح ہوں'' اسی طرح فرانسیسی فاتح جرنیل جب دمشق پہنچا تو اس نے سلطان صلاح الدین کے قبر پر تلوار مار کر کہا ''صلاح الدین اٹھو، ہم پھر آگئے ہیں''، برطانوی سامراج نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی عام اجازت دے دی، چنانچہ تیس برس کے اندر اندر

فلسطین میں یہودیوں کی آبادی چوراسی ہزار سے بڑھ کر چھ لاکھ ہوگئی، یہ لاکھوں یہودی، پولینڈ، سوویت روس، ہنگری، بلقان، یمن، مراکش وغیرہ مختلف ممالک سے آئے تھے اور انہیں سرمایہ امریکی یہودیوں نے فراہم کیا تھا، ہٹلر کی بربریت سے بچنے کے لئے جرمن کے یہودیوں نے بھی فلسطین کا رخ کیا، دوسری جنگِ عظیم (۴۵-۱۹۳۹ء) میں یہودیوں کی نقلِ مکانی میں ایسی تیزی آئی کہ لوگوں کو یہ محسوس ہونے لگا جیسے یہ جنگ ان کی نقلِ مکانی ہی کے لئے چھیڑی گئی ہو، اس سے پہلے نومبر ۱۹۱۷ء میں پہلی جنگِ عظیم کے دوران روس میں جو کمیونسٹ انقلاب آیا اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا کہ یہودیوں کو وہاں سے "ارضِ موعود" فلسطین کی طرف ڈھکیلا جائے، روسی آمر جوزف اسٹالن کے عہد میں جو دہشت گردی ہوئی اس کے نتیجے میں اس خطے کے بے شمار یہودی نقلِ مکانی کر کے فلسطین میں آباد ہوتے چلے گئے، یہاں پر یہ بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کمیونسٹ انقلاب برپا کرنے والے بیشتر افراد کسی نہ کسی حوالے سے یہودی تھے، پہلا حکمران میر الیانوف لینن، اس کا دستِ راست لیون ٹراٹسکی پکے یہودی تھے، لینن کا جانشین اسٹالن ماں کی طرف سے یہودی تھا، جب کہ کمیونزم کا باوا آدم کارل مارکس بھی جرمن یہودی تھا۔

پہلی جنگِ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے بعد جمعیت اقوام (لیگ آف نیشنز) اور دوسری جنگِ عظیم (۴۵ - ۱۹۳۹ء) کے بعد اقوامِ متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن) کا قیام اسی صیہونی پروٹوکولز کی رو سے عمل میں آیا جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا، ہر نزل کے اعلان کے ٹھیک پچاس سال بعد ۱۹۴۷/۱۱/۲۹ء کو اقوامِ متحدہ نے فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا، ایک عربی سلطنت، ایک یہودی سلطنت اور شہر "قدس" (بیت المقدس) کو عالمی نظام و قوانین کے ماتحت قرار دیا، چھ لاکھ یہودیوں کو فلسطین کا پچپن فیصد علاقہ اور بارہ لاکھ فلسطینیوں کو پینتالیس فیصد علاقہ دیا گیا، اس تقسیم کا دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ بنجر زمینیں، اور صحراء عربوں (مسلمانوں) کے دامن ذلت میں ڈالا گیا اور زراعت کے قابل زمینیں یہودیوں کو سونپی گئیں، اس تقسیم سے پہلے ۱۹۲۲ء میں "جمعیت اقوام" نے بھی فلسطین کا اختیار حکومت یکطرفہ طور پر برطانیہ کے حوالہ کر دیا تھا اور فلسطین کے اصلی باشندوں سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ ان کی خواہش کیا ہے! اس لئے صیہونی صلیبی گٹھ جوڑ سے وجود میں آنے والی (یو، این، او) کے غیر منصفانہ بلکہ غاصبانہ فیصلہ پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔

۱۹۴۸/۵/۱۴ء کو دوپہر میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ وہ فلسطین چھوڑنے والا ہے، برطانوی فوج یہودیوں کو پوری ٹریننگ دینے اور اس وقت موجود ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کرنے کے بعد اسی تاریخ میں آدھی رات کو فلسطین سے انخلاء کر گئی، ۱۹۴۸/۵/۱۵ء کی صبح چھ بجے تل ابیب ریڈیو نے مسلمانوں کے مقدس ملک میں اسرائیلی حکومت کے قیام کی منحوس خبر سنائی، دس منٹ بعد اس نوزائیدہ حکومت کو امریکہ نے تسلیم کر لیا، اس کے دس منٹ بعد روس نے پھر برطانیہ فرانس اور جرمنی کے ساتھ ساتھ سارے مغربی ممالک نے اس حکومت کو تسلیم کر لیا، فوراً ہی عرب ممالک اور اسرائیل کے درمیان جنگ شروع ہوگئی، اس جنگ میں عرب کے چار ملک مصر، سوریا، لبنان اور اردن شامل تھے، سعودی عرب نے بھی اپنی فوج بھیجی تھی، اس ناتجربہ کار، غیر تربیت یافتہ اور اسلحہ کے اعتبار سے غیر متوازن فوج کی تعداد صرف بیس ہزار تھی، جب یہ جنگ ختم ہوئی تو یہودی فلسطین کے اٹھتر فی صد زمین پر قابض ہو چکے تھے، مغربی یروشلم پر یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا مگر مشرقی یروشلم جس میں بیت المقدس اور قبۃ صخرہ تھا اردن کی فوج نے جان توڑ کوشش اور مزاحمت کے بعد یہودیوں کے قبضہ میں جانے سے بچا لیا۔

۱۹۶۷/۶/۵ء کو صبح کے وقت اسرائیل نے عربوں کے فوجی ایئر پورٹ پر اچانک حملہ کر دیا، چھ دنوں کے اندر اسرائیل مصر سے غزہ پٹی اور صحرائے سینا، اردن سے مغربی کنارہ اور سوریا سے جولان کا علاقہ چھیننے کے ساتھ ساتھ بہت آسانی سے بیت المقدس پر بھی قبضہ جما چکا تھا۔ اس جنگ میں عرب عیسائیوں نے اور ان ملکوں میں موجود یہودیوں نے اسرائیل کے لئے جو "خدمات" انجام دیں وہ عبرت کے لائق ہے، یہاں پر اقوامِ متحدہ کے قرارداد نمبر ۲۴۲ کا ذکر میرے خیال میں نامناسب نہ ہوگا جس میں اسرائیل سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس دوسری جنگ میں اسرائیل نے جن جگہوں پر قبضہ کر لیا ہے وہاں سے اپنی فوج ہٹا لے، مگر اسرائیل نے ابھی تک اس کو نافذ نہیں کیا ہے، ایک یہی قرارداد کیا ایسی ایسی تقریباً انتیس قراردادیں اقوامِ متحدہ سے پاس ہو چکی ہیں مگر امریکہ کے اس ناجائز لاڈلے بیٹے نے ان میں سے آج تک کسی کو بھی لائقِ اعتنا نہیں سمجھا۔

۱۹۷۳/۱۰/۶ء کو اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان تیسری جنگ کی شروعات ہوئی، اس جنگ میں مصر، سوریا، اردن کے ساتھ عراق، سعودیہ، مغرب، سوڈان اور جزائر وغیرہ بھی شامل تھے، اس جنگ میں عرب فوج کو کچھ کامیابیاں تو ضرور ملیں مگر یہاں بھی غداری کی وجہ سے پورا فلسطین تو کیا عرب اپنے وہ علاقے بھی آزاد نہیں کرا سکے جن پر اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کر لیا تھا۔

۱۹۷۷/۱۱/۱۹ء کو انور سادات صدر جمہوریہ

مصر نے اسرائیل کا دورہ کیا، اسرائیلی پارلیمنٹ "کینسٹ" میں ان کا خطاب ہوا، ان کے اس دورے کا اختتام اسرائیل کے ناجائز وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہوا، ایک دوسرے پر اعتماد کے اظہار کے ساتھ ساتھ آپس میں سفراء کے تبادلے اور باہمی امداد پر اتفاق کر لیا گیا، اس دورہ کے بعد اب تک اردن، موریتانیا، مغرب، جزائر اور تیونس اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں، حالات بتاتے ہیں کہ جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی جلد ہی اس فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔

۱۹۷۸/۹/۵ء کو کیمپ ڈیوڈ کانفرنس کے بعد (جس میں انور سادات اور مناحم بیگن شریک تھے)، مصر کو صحرائے سینا تو واپس مل گیا مگر اردن کا مغربی کنارہ، جولان کی پہاڑیاں، غزہ اور بیت المقدس اسرائیل ہی کے قبضہ میں ہیں۔

۱۹۹۳ء میں امریکہ اور اسرائیل نے مل کر فلسطین کے سابق مردِ مجاہد یاسر عرفات کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، انہوں نے اسرائیلی وزیرِ اعظم اسحاق رابن کے ساتھ "اوسلو معاہدہ" کر کے گویا فلسطین سے اپنی دست برداری کا اعلان کر دیا اور اسرائیلی اقتدار کے ماتحت مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کے نہایت محدود علاقہ پر مشتمل ایک "خیالی حکومت" پر قناعت کر لی، اس کے بعد یاسر عرفات اپنے آپ کو اس "خیالی سلطنت" کا "سربراہ" بھی تصور کرنے لگے اور امریکہ و یورپی ممالک نے ان کو اسی حیثیت سے پورا پروٹوکول دے کر احمقوں کی جنت میں رہنے کا مزید موقع فراہم کیا، حالانکہ درحقیقت وہ ایک ایسے ملک کے سربراہ تھے جس کا روئے زمین پر کوئی وجود ہی نہیں تھا، اس معاہدے سے لے کر یاسر عرفات نے مختلف اوقات میں پانچ مزید معاہدے کئے اور ہر بار اسرائیل کا وعدہ، وعدہ ہی رہا، کوئی بھی طاقت اسرائیل کو ان معاہدوں پر عمل درآمد کرنے پر مجبور نہ کر سکی، ستمبر ۲۰۰۰ء میں فلسطینیوں نے اسرائیل کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اپنی تحریک انتفاضہ میں تیزی لائی اور پے در پے خودکش حملہ کرنے لگے تو اسرائیلی وزیرِ اعظم ایریل شیرون نے یاسر عرفات کی اس خیالی حکومت کا بھی گلا گھونٹ دیا، سابق فلسطینی صدر یاسر عرفات کے ساتھ ان کے انتقال سے قبل جو سلوک ہوا وہ لائقِ عبرت ہے، شہر "رام اللہ" میں محصور رہے، ان کو ختم کرنے کے لئے قاتلانہ حملہ کرایا گیا، آخر کار اسی شہر سے مرضِ وفات میں پیرس لے جائے گئے، انتقال کے بعد بھی ان کی خواہش کا احترام نہیں کیا گیا اور بجائے "قدس" کے "رام اللہ" میں دفن کئے گئے۔ موجودہ فلسطینی صدر محمود عباس بھی یاسر عرفات کی شخصیت کا امتداد معلوم ہوتے ہیں، اس لیے وہ انہی کاموں کی تکمیل میں مشغول نظر آ رہے ہیں جنہیں یاسر عرفات ادھورا چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔

اسرائیل گذشتہ نصف صدی سے سے نہتے فلسطینی مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہا ہے، ان کے خلاف دہشت گردی کر رہا ہے، ۱۹۴۸ء میں "دیر یاسین" میں فلسطینیوں کا قتلِ عام، ۱۹۶۷ء میں عرب ممالک پر حملہ، ۱۹۸۲ء میں فلسطینیوں کے کیمپ "صابرہ" اور "شتیلہ" میں قتلِ عام دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟ "جنین" میں تو اسرائیلی فوجوں نے اپنے سارے پچھلے ریکارڈ توڑ دئے اور پورے شہر میں ظلم و بربریت کا وہ وحشیانہ ناچ ناچا کہ جنگل میں بسنے والے خونخوار جانوروں کو بھی شرم آنے لگی، اس کے علاوہ آئے دن فلسطینیوں کو زدوکوب کرنا اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دینا عام بات ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ دیر یاسین کا جلاد اسحاق شمیر ۱۹۸۰ء میں وزیرِ اعظم بنا اور صابرہ و شتیلہ کا فرعون ایریل شیرون فی الحال اسرائیل کی وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر براجمان ہے، مگر نہ ہی اسحاق شمیر کو کوئی "عالمی عدالت" سزا دے پائی نہ ہی شیرون سے ہی کسی "عالمی ادارہ" نے پوچھ گچھ کی، کیوں؟؟؟ اس کے جواب میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ

مناجات

مومن خاں مومن

نہ کیوں کر مطلعِ دیواں ہو، مطلع مہرِ وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشتِ شہادت کا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خار ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یارب پاؤں وقت کا

غضب ہے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے، نہ میں مشتاق جنت کا

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دست دعا میں گوشۂ داماں اجابت کا

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برق جو لاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیٔ اہل ضلالت کا

مرا جوہر ہو سرتا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا

خدایا لشکرِ اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا

امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوجِ ملائک پر حکومت کا

زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلامِ پاک حضرت کا

ہماری چند مطبوعات

کاروان زندگی (سات حصے)	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	600/-
مطالعہ قرآن کے اصول وہبادی	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	40/-
خواتین اور دین کی خدمت	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	25/-
اسلامیات	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	40/-
کاروان ایمان وعزیمت	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	35/-
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	75/-
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	90/-
دو ہفتے ترکی میں	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	20/-
اپنے گھر سے بیت اللہ تک	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	25/-
دعائیں (قرآن وحدیث کی دعاؤں کا مجموعہ)	از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	10/-
ریاض الصالحین (ترجمہ)	از محترمہ سلمہ اللہ تسنیم صاحبہ	150/-
پیغمبروں کی قصص الانبیاء (جلد اول)	از محترمہ سلمہ اللہ تسنیم صاحبہ	54/-
پیغمبروں کی قصص الانبیاء (جلد دوم)	از محترمہ سلمہ اللہ تسنیم صاحبہ	12/-
ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (۱۰۰ سے ۱۵۰ صفحات)	از محترمہ سلمہ اللہ تسنیم صاحبہ	20/-
آیا تیمم (حنفی مجموعہ)	از محترمہ سلمہ اللہ تسنیم صاحبہ	زیر طبع
دائقہ (کھانے پکانے کی کتاب)	از: خدیجہ خیر النساء بہتر صاحبہ	15/-
حسن معاشرت	از: خدیجہ خیر النساء بہتر صاحبہ	15/-
کلمہ باب رحمت (سنا جاتیں)	از: خدیجہ خیر النساء بہتر صاحبہ	6/-
نور الایمان (بچوں کے لئے)	از حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی	6/-
تعلیم الاسلام (مسائل کی کتاب)	از حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی	8/-
سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی	از: مولانا محمد ثانی حسنی	160/-
زبان کی نیکیاں	از: مولانا محمد ثانی حسنی	15/-
حیات خلیل	از: مولانا محمد ثانی حسنی	50/-
لبیک اللھم لبیک	از: مولانا محمد ثانی حسنی	30/-
گلدستہ حمد وسلام	از: مولانا محمد ثانی حسنی	6/-
سماج کی تعلیم وتربیت	از حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی	45/-
تعلیم القرآن	از: مولانا محمد اویس نگرامی ندوی	16/-
بشریت انبیاء	از: مولانا عبدالماجد دریابادی	40/-
تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ	از: مولانا محمد الحسنی	35/-
تذکرہ حضرت سید احمد شہید	از: مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی	45/-
سیرت الصدیق	از: مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی	25/-

☆☆☆☆

ناشر: مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔226018

تصنیفات حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

سیرت محمدی انسانیت کے لئے اعلیٰ نمونہ	15/-
امت مسلمہ رہبر اور مثالی امت	70/-
حج اور مقامات حج	35/-
جزیرۃ العرب (جدید ایڈیشن)	70/-
دو مہینے امریکہ میں	90/-
سمرقند وبخارا	35/-
نقوش سیرت ﷺ	60/-
غبار کارواں	70/-
مسلمان اور تعلیم	20/-
سماج کی تعلیم وتربیت	45/-
فی وطن الامام بخاری	30/-
رسالۃ التناسبات الاسلامیۃ	45/-
أضواء علی الأدب الاسلامی	60/-
فی ضلال السیرۃ	90/-
قیمۃ الامۃ الاسلامیۃ، منجزاتھا	60/-
مقالات فی التربیۃ والمجتمع	40/-
العالم الاسلامی الیوم	110/-

ملنے کا پتہ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، لکھنؤ۔

تصنیفات حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی

قرآن کریم: تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ	200/-
آداب وفضائل درود وسلام	90/-
ارشادات نبوی کی روشنی میں نظام معاشرت (اول)	160/-
ارشادات نبوی کی روشنی میں نظام معاشرت (دوم)	160/-
میر کارواں	130/-
آفتاب نبوت ﷺ کی چند کرنیں	45/-
تاریخ تدوین سیرت	100/-

عربی انشاء (مضمون نویسی) کے موضوع پر حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی کے طویل تعلیمی تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ ایک منفرد کتاب جس میں Direct Method کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور اس کی عملی مشق وتمرینات نے اساتذہ وطلبہ دونوں کے لئے اس مشکل کو آسان کردیا ہے۔

أساس اللغة العربية لغير الناطقين بها

عربی کے معروف ادیب، نامور صحافی اور ماہر تعلیم ولسانیات

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کا بھی اس تالیف میں اہم رول رہا ہے

عربی زبان سیکھنے والوں کے لئے ایک نادر ونظیر تحفہ۔ کتاب انشاء، مدرسہ منظر عام پر آرہی ہے۔

ملنے کا پتہ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، لکھنؤ۔

"لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر"

اقبالؔ کا مردِ مومن، ایک درویش صفت سیاست داں

جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب

امین الدین شجاع الدین

جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب تقریباً ۴ دہائیوں تک آزاد ہندوستان کی پارلیمنٹ کے مؤقر وممتاز پارلیمنٹرین رہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی صف اوّل کے رہنما وقائد رہے۔ انھوں نے عمر بھر صرف ملّت اسلامیہ ہند یہ ہی کی لڑائی نہیں لڑی بلکہ وہ اقلیتوں، مظلوموں اور انصاف کے لیے برسرِ پیکار رہے لیکن افسوس کہ اُردو و انگریزی اخبارات میں ملک وملّت کی خدمت میں اپنی عمر کھپا دینے والی اس قد آور شخصیت پر جو چند ایک مضامین آئے وہ سیٹھ صاحب کی شایانِ شان نہیں تھے۔ "مردہ پرست" کہلانے والی ملّت نے اپنے اس بے لوث خدمت گزار اور مثالی قائد کو خراج پیش کرنے کے سلسلہ میں جس بے حسی اور ان کی گرانقدر خدمات سے جس ناواقفیت کا ثبوت دیا وہ ایک افسوس ناک امر ہے۔ اسی تاثر کی بنا پر درج ذیل چند صفحات سپردِ قلم کیے گئے ہیں، امید کہ قارئین اسے نگاہِ شوق سے پڑھیں گے۔ (ا۔ش)

۲۷/اپریل ۲۰۰۵ء کو عمر کی ۸۲ بہاریں پوری کرکے ابراہیم سلیمان سیٹھ نے علی الصبح ۵:۳۰ بجے بنگلور کے ایک اسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ان کی اہلیہ محترمہ پہلے ہی انہیں داغ مفارقت دے چکی تھیں لیکن سیٹھ صاحب محض اپنے اعزہ واحباب سے وداع نہیں ہوئے بلکہ اپنے پیچھے پوری ملّتِ اسلامیہ ہندیہ کو سوگوار چھوڑ گئے، اُن کے پس ماندگان میں دو بیٹے سلیمان خالد اور سراج ابراہیم اور تین بیٹیاں ہیں، اُن کی رہائش گاہ جو کوچی میں واقع ہے، کا نام "الھلال" ہے جو ان کی دین پسندی اور رجائیت پسندی کا عکاس ہے اور جس مکین کے بام ودر یہ پیغام دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے سیاسی افق کا ہلال ایک نہ ایک دن بدر منیر ضرور بنے گا، اُن کا جسدِ خاکی اُن کی صاحبزادی کی رہائش گاہ واقع بنگلور میں لایا گیا اور بنگلور کے ہی قدوس صاحب قبرستان کو اُن کی آخری آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سیٹھ صاحب کا جنم ۳/نومبر ۱۹۲۲ء کو تلاشری (کنور، کالی کٹ) میں ہوا تھا۔ اُن کے والد ماجد کا نام سلیمان سیٹھ تھا جن کی میسور میں کپڑوں کی تجارت تھی ان کی والدہ ماجدہ کا نام زینب بی تھا۔ سیٹھ صاحب کا بچپن ولڑکپن ان کی جائے پیدائش تلاشری میں گزرا اور ابتدائی و سکنڈری اور کالج تک کی سطح کی تعلیم انہوں نے تلاشری میں ہی حاصل کی تاریخ، سیاسیات اور معاشیات ان کے موضوع رہے۔

وہ کالج میں تاریخ کے معلم رہے، شاید اسی لئے ملّت اسلامیہ کے روشن ماضی کی بازیافت ان کے فکر وعمل کا میدان بن گئی۔ اس کے لئے وہ زندگی بھر ایک سچے معلم کی طرح کوئلہ کے مانند سلگتے رہے اور اس معلمانہ آنچ نے نہ جانے کتنوں کو حرارت ایمانی سے روشناس کیا۔ روشن ماضی کی بازیافت کے جذبہ ہی کی وجہ سے ۱۹۴۶ء میں انہوں نے کالج کو خیرباد کہہ دیا، گویا یہ بھی ایک تقدیری امر تھا اور قدرت کو اُن سے خیر کے اور امت کی خیر خواہی کے بڑے کام لینے تھے۔

میسور کے گورنمنٹ کالج سے ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ اسی اثناء میں وہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسوں میں ایک مقرر کی حیثیت سے شریک ہوا کرتے ۱۹۴۳ء میں فیڈریشن کے جلسہ میں کی گئی ان کی تقریر کی بڑی شہرت ہوئی۔

زینب بی صاحبہ کے ایک عزیز جناب ستار سیٹھ ہوا کرتے تھے، وہ سیاسی ذوق کے حامل تھے اور اُن کی نگاہ مردم شناس نے سیٹھ صاحب میں موجود قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا تھا چنانچہ سیٹھ صاحب مرحوم کے سیاسی گرو ستار سیٹھ ہی ٹھہرے۔

سیاست کی پُرخار وادی میں عملاً سیٹھ صاحب نے ۱۹۶۰ء میں راجیہ سبھا کے ممبر کی حیثیت سے قدم رکھا اور اس عرصہ میں عوام میں اپنی محبوبیت ومقبولیت کا ایسا سلسلہ جمایا اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا وہ لوہا منوایا کہ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۹۲ء تک وہ مسلسل پارلیمنٹ کے لئے منتخب ہوتے رہے پہلی بار وہ کالی کٹ سے منتخب ہوئے اور پھر لگاتار ۵ مرتبہ منجیری سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہوتے رہے تسلسل کے ساتھ لوک سبھا کے لئے ان کا یہ انتخاب ایک ریکارڈ اور تاریخ ہے۔ لوک سبھا کی ان کی رکنیت کی اس مدت میں دس وزراء اعظم اپنے اپنے منصب عظمیٰ پر آئے اور رخصت ہوئے۔

مسلم لیگ کو آزاد ہندوستان کے پہلے وزیراعظم نے ''مردہ گھوڑا'' کہا تھا، ابراہیم سلیمان سیٹھ کا نام اس لحاظ سے ان جیالوں، جانبازوں اور قلندرانہ شان اور مومنانہ جرأت و جسارت رکھنے والوں میں لکھا جائے گا کہ جس پارٹی کو تقسیم ملک کی ذمہ دار ٹھہرا کر اسے مطعون کیا جارہا تھا، اس نہایت نازک اور قیامت کی گھڑی میں سیٹھ صاحب نے مسلم لیگ کا پرچم نہ صرف تھامے رکھا بلکہ اس سبز ہلالی پرچم تلے غمزدہ و مظلوم مسلمانوں اور اقلیتوں کو اکٹھا بھی کیا۔ گویا ع

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی

۱۹۴۱ء میں سیٹھ صاحب نے مسلم لیگ کے اس جلسہ سے خطاب کیا تھا جس میں محمد علی جناح، لیاقت علی خاں اور فضل الحق جیسے صف اول کے رہنما موجود تھے جبکہ اس وقت سیٹھ صاحب کی عمر محض ۱۹ برس تھی۔

حصول آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں سلطان ٹیپو کی بہادری و شجاعت کی داستانوں کے شاہد و امین شہر میسور مسلم لیگ کے سیٹھ صاحب صدر ہوئے کیرالہ کے شہر ارنا کلم کے وہ ۱۹۵۲ء میں صدر رہے اور ان کی انتظامی و مدبرانہ صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں ۱۹۵۶ء میں ریاستی مسلم لیگ کا خازن مقرر کیا گیا، ۱۹۶۱ء میں وہ پارٹی کے جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے اور قائد ملت مولانا محمد اسمٰعیل اور عبدالرحمن بافقیہ تھنگل صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۷۳ء میں وہ انڈین یونین مسلم لیگ کے صدر منتخب قرار دیئے گئے۔

یہ تفصیلات تو ہوئیں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم اور اس کے لئے سیٹھ صاحب کی خدمات سے متعلق، لیکن سیٹھ صاحب کو اللہ نے جس درد و سوز، تڑپ و کڑھن اور ملت کے لئے جینے اور مرنے کا سلیقہ و حوصلہ بخشا تھا اس کا فطری تقاضہ تھا کہ یہ شہاب ثاقب کشمیر سے کنیاکماری تک کی ملت اسلامیہ کے لئے بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا کام دیتا، سیٹھ صاحب محض ایک چشمہ نہیں سمندر کا ایک کردار نبھاتے اور ملک بھر کی اقلیتوں اور مظلوموں کے لئے سرچشمہ فیض بن جاتے۔ اور اس شاعرانہ تخیل کے عملی مصداق ہوتے۔

ترپ صحن چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو نہیں سکتی تقدیر سیمابی

واقعہ یہ ہے کہ سیٹھ صاحب کی فطرت میں قدرت نے سیمابیت رکھی تھی اور پھر تقریباً ۳۵ برسوں تک لوک سبھا کی مسلسل رکنیت کی بدولت ان کی شہرت و خدمت ناریل کے دیس سے باہر بھی اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ سیٹھ صاحب مرحوم نے ایک طرف کیرالہ کی اقلیتوں کو مسلم لیگ جیسا منظم و متحدہ پلیٹ فارم عطا کر دیا تھا کہ وہاں کا مسلمان برابر اقتدار میں حصہ دار رہا، سر اٹھا کر اور عزت نفس کے ساتھ جیتا رہا اور تعلیمی و اقتصادی میدانوں میں برادران وطن کے شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کر چلتا رہا واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی کوئی ریاست زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں اور اقلیتوں کی ایسی مسلسل ترقی کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سیٹھ صاحب کی ان ہی کلیدی اور نمایاں خدمات نے انہیں عوام کی زبان سے ''محبوب ملت'' کہلوایا اور ان کی محبوبیت کا کیرالہ کی عوام میں یہ عالم تھا کہ جب ایک ماں منا کر اور بہلا کر اپنے بچہ کو کھانا کھلاتی تو کہتی دیکھو محبوب ملت ابراہیم سلیمان سیٹھ آرہے ہیں اس طرح پانچ سال کی کم عمر کا بچہ بھی اپنے محبوب ملت کے نام سے واقف ہو جاتا اور اس کے دل میں سیٹھ صاحب کی محبت جاگزیں ہو جاتی۔

دوسری طرف سیٹھ صاحب کی غیر معمولی دردمندانہ اور خلوص پر مبنی ملی خدمات کی ایک طویل تابناک فہرست ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار کی لڑائی لڑی جارہی تھی سیٹھ صاحب نے اس میں کلیدی رول ادا کیا اور ۱۹۸۱ء میں مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی کی جنگ جیت لی، وہ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ سچ مچ تو مظلوموں کے رہنما تھے چنانچہ انہوں نے منڈل کمیشن رپورٹ کی حمایت کی، ناڈا کے بے قصور مظلومین کی رہائی کا پرزور مطالبہ کیا جامعہ ملیہ اسلامیہ کے Issue پر بھی وہ حق گوئی سے کام لیتے رہے۔ ایک پارلیمینٹرین کی حیثیت سے دستور ہند پر ان کی نگاہ بڑی گہری تھی اور دستور ہند کے دائرہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں، اقلیتوں اور مظلوموں کے حقوق کی بازیابی میں کبھی بھی انہوں نے پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل میں بھی ان کا بڑا اہم رول رہا۔

۱۹۶۴ء میں جب جبلپور اور راوڑکیلا میں خون آشام فسادات ہوئے اور ڈاکٹر سید محمود نے حالات کی نامساعدت اور صاحبان اقتدار کی مخالفت کے باوجود مسلم مجلس مشاورت کی بنیاد ڈالی اور واضح طور سے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ مسلمان ہندوستان میں دوسرے درجہ کے شہری بن کر رہنا ہرگز گوارا نہیں کریں گے، ڈاکٹر سید محمود کے اس ریمارک پر پنڈت نہرو کو بھی سوچنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ سیٹھ صاحب حصول آزادی کے بعد ملت کی بقاء اور اس کے تحفظ کے لئے کی جانے والی ہر کوشش میں شریک رہے اور انہوں نے بنیادی کردار نبھایا۔ بابری مسجد کی بازیابی کی کوششوں میں نہ صرف وہ پیش پیش رہے بلکہ بابری مسجد کی شہادت سے وہ اس قدر دلبرداشتہ رنجور، مغموم اور متاثر ہوئے کہ انہوں نے کیرالہ میں کانگریس کی بیساکھی پر مسلم لیگ کے اقتدار کو بھی صرف اس بنیاد پر قربان کر دینا چاہا کہ مسجد کی شہادت میں کانگریس ملوث تھی۔ وہ ایک غیرت مند مسلمان تھے، حمیت و خودداری ان کے خمیر میں داخل تھی مندالله مسئولیت کا ان کو احساس تھا اور وہ اپنے اللہ کے حضور اس حال میں نہیں جانا چاہتے تھے کہ ۰۰ اقتدار کی لالچ میں اللہ کے گھر کے قاتلوں سے ساز باز کئے رہیں، انھیں اس کا یقین تھا کہ دنیا

فانی ہے اور یہ جان ایک دن جانی ہے۔

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کارجہاں بے ثبات، کارجہاں بے ثبات

وقت گزر گیا اور اس دور کی حکومت بھی اپنی مدت پوری کر چکی لیکن سیٹھ صاحب اللہ کے حضور اس حال میں حاضر ہوئے کہ اللہ کے ایک گھر کی شہادت پر وہ رنجور و ملول تھے اور عملاً انہوں نے اپنی دینی غیرت و حمیت کا وہ ثبوت فراہم کر دیا تھا جو ان کے لئے انشاء اللہ توشۂ آخرت ثابت ہوگا اور انشاء اللہ غیور خداوند قدوس نے بھی اپنے اس باحمیت بندہ کے ساتھ مغفرت اور لطف و عنایت کا معاملہ کیا ہوگا شریعت میں مداخلت کی مدافعت کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل اور ان کے عملی کاموں میں بھی سیٹھ صاحب صف اول ہی میں نظر آتے، شاہ بانو کیس کے سلسلہ میں سیٹھ صاحب کی میدانی اور پارلیمانی جدوجہد دونوں یاد رکھی جائیں گی ملی کونسل کا جن دنوں قیام عمل میں آرہا تھا اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے دل میں ملت کے درد کا درماں ڈھونڈ نکالنے کی ایک ہوک سی اٹھی ہوئی تھی اور اتحاد بین المسلمین کا جنون ان کے سر میں سمایا ہوا تھا تو دوسری طرف اس مرد مجاہد کی مخالفت بھی ہو رہی تھی لیکن سیٹھ صاحب جیسی جہاں دیدہ اور دانا و بینا شخصیت حضرت قاضی صاحب کے ساتھ تھی جس نے ملی کونسل کو بھی اس وقت ایک اعتبار بخشا اس کے علاوہ سیٹھ صاحب کی سنٹرل وقف کونسل اور سنٹرل حج کمیٹی کو بھی رکن کی حیثیت سے خدمات حاصل رہیں۔ کیرالا یونیورسٹی کے سینٹ کے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کورٹ کے بھی سیٹھ صاحب ممبر رہے۔

جیسا کہ ہوتا آیا ہے، مظلوموں اور خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے آواز بلند کرنے والوں کو انتہا پسند، بنیاد پرست اور اس سے آگے بڑھ کر دہشت گرد بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کا مظاہرہ چوراہوں سے لے کر پارلیمان کے ایوانوں تک بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ کیا جاتا ہے، سیٹھ صاحب کو بھی ان خطابات سے نوازا گیا لیکن سیٹھ صاحب نے ملک کی ایکتا کے لئے اور اس کے بقاء و استحکام کے لئے فاشزم اور فاشسٹ قوتوں کو برابر للکارا، وہ زہر ہلاہل کو بھی قند نہ کہہ سکے اور محض ان کے بالمقابل سیکولرزم کی حمایت کو برابر جاری رکھا دراصل وہ محض مسلمانوں کی نہیں بلکہ انصاف کی لڑائی لڑتے رہے، وہ غیر جانبدار نہیں، حق کے طرفدار تھے۔ ایمرجنسی کے دوران جب قدآور رہنمایان ملک و ملت قید و بند کی صعوبتیں اٹھا رہے تھے اور سیٹھ صاحب کی گرفتاری اس وقت تک عمل میں نہیں آئی تھی تو انہوں نے اس وقت کی وزیراعظم محترمہ اندرا گاندھی سے کہا تھا۔

I want to get arrested. I am against emergency and the compulsory sterilization.

''میں بھی گرفتار ہو جانا چاہتا ہوں۔ میں ایمرجنسی اور لازمی نس بندی کا مخالف ہوں''

اس طرح سیٹھ صاحب نے اسلامی شعائر کے سلسلہ میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا اسلام کی سربلندی اور ملت کے لئے آبرومندانہ زندگی کے شعور و احساس نے انہیں اپنی حیات مستعار میں بے قرار رکھا ۱۹۶۷ء میں جب اسرائیل مصر سے برسرپیکار تھا، سیٹھ صاحب نے فلسطین کانفرنس کا انعقاد کیا، یاسر عرفات سے بھی ان کی ملاقات رہی۔ وہ مظلومین کے لئے ریشم کی طرح نرم تھے اور ظالموں کے بالمقابل صورت فولاد۔

بیرونی ممالک کے اسفار تو اب ہر کس و ناکس کو پیش آنے لگے ہیں لیکن سیٹھ صاحب نے مختلف انٹرنیشنل اسلامک کنونشن میں شرکت کے لئے لندن، واشنگٹن، نیویارک، بغداد، جدہ، تہران، عمان، اسلام آباد، انگارا اور کولمبو وغیرہ کے سفر کئے اور اپنا صاف ستھرا اور واضح موقف پیش کیا، ان کو اردو کیساتھ انگریزی زبان پر غیر معمولی عبور تھا، اپنے پارلیمانی حلقہ میں انگریزی ہی میں تقریر فرماتے تھے۔ اقبالیات اور غالبیات سے انہیں خصوصی شغف تھا اور اپنی تقاریر میں وہ برمحل ان شعراء کرام کے اشعار کا استعمال کرتے تھے، انہوں نے خود شعر بھی کہے، مشق سخن بھی کی، کاش کہ ان کی شاعری محفوظ ہو جس سے ان کی شخصیت کے پہلوؤں کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے، ان کی تقریروں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہوا کرتی کہ وہ قرآن حدیث سے آراستہ ہوتیں۔ قرآن پاک کی تلاوت، اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنے اور اس سے رہنمائی حاصل کرنا ان کے مزاج میں شامل تھا ملیالم سمجھتے تو خوب تھے لیکن روانی سے بولتے نہیں تھے اگر مترجم قرآن و حدیث کے ترجمہ میں غلطی کرتا تو فوراً ملیالم میں ہی اس کا ترجمہ کر دیتے۔ ان کی غیرت اس میں غلطی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

یہاں تک ایک سیاست داں اور مدبر کی حیثیت سے ان کی زندگی کے ان چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی لیکن اصل مسئلہ ہے انسان کا انسان ہونا، اور مسلمان کا مطلوبہ کردار کا حامل ہونا۔ اس لئے کہ آدمیوں کی بھیڑ میں آج انسان کو انسان ہونا بھی میسر نہیں ہے۔ سیٹھ صاحب کی شناخت ایک مسلم رہنما کی تھی، مسلم دشمنی میں طاق سیاست دانوں سے بھی ان کا واسطہ پڑتا رہا، ملت کی سستی کو انہوں نے بھنور میں اپنی آنکھوں سے دیکھا، مظلومین کی دردبھری داستانیں اور فریادیں سنیں، فسادات کے روح فرسا حادثات کے چشم دید گواہ رہے، عالمی نقشہ پر مسلمانوں کی بے وزنی اور بے توقیری کو دیکھتے رہے اور واقعات کی سب سے بڑی حقیقت یعنی دنیا کی بے ثباتی اور پھر عند اللہ مسئولیت ان کا ایمان و عقیدہ و ریان تمام حقائق و واقعات کی وجہ سے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے ان کے دل پر اثر قائم ہونا ایک ناگزیر عمل تھا اس کے علاوہ ساحل پر بیٹھ کر انہوں نے محض تماشہ نہیں دیکھا تھا بلکہ براہ

راست موجوں سے وہ لڑے تھے اور باطل سے یہ
خیر آزمائی حرارت ایمانی اور خدا اعتمادی کے بغیر
ممکن نہیں تھی کہنے والے نے سچ کہا ع

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

یہی ایمانی حرارت اور تعلق مع اللہ تھا
جس نے انہیں جرأت ایمانی بخشی تھی اور نتیجہ میں
انتہائی ناسازگار حالات میں بھی "بے خطر کود پڑا
آتش نمرود میں عشق" کا ان سے مظاہرہ کرواتی تھی۔

۲۰ رسال سے وہ دل کے مرض میں مبتلا
تھے لندن میں بائی پاس سرجری بھی ہوئی تھی معالجین
نے انہیں آرام کرنے اور تناؤ سے بچنے کا مشورہ
بھی دیا تھا، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ ان کا یہ مریض
جس "درد دل" میں مبتلا ہے، وہی درد اس کی عین
زندگی ہے اور اسی درد کے سبب وہ جیتا ہے اور فانی
جسم کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہے۔

سیٹھ صاحب کی زندگی کا ایک اہم گوشہ
ان کی درویشانہ صفت زندگی تھی۔ آخری دنوں میں
ممبر راجیہ سبھا جناب پی وی عبدالوہاب صاحب
نے سیٹھ صاحب کے لئے ایک کار خرید کر دینے کی
فرمائش کی لیکن سیٹھ صاحب نے بلا توقف یہ کہتے
ہوئے انکار کر دیا کہ وہ کار ڈرائیور کے مشاہرہ کو
ادا کرنے کے متحمل نہیں ہیں۔

سیٹھ صاحب نے ایک متمول گھرانہ
میں آنکھیں کھولی تھیں، والد مرحوم کپڑوں کے اچھے
تاجر تھے لیکن سیٹھ صاحب اس معاملہ میں بے نیاز
رہے، علی العموم آج کا سیاست داں اپنی کئی پشتوں
کی فکر کرتا اور ان کے لئے نظم کر جاتا ہے لیکن سیٹھ
صاحب کا ضمیر جس مٹی سے اٹھا تھا اس میں خدا
خوفی اور دنیا سے بے نیازی کا عنصر غالب تھا، ان کو
کھو کر پانے میں مزہ آتا تھا اپنے گھر میں اندھیرا
انہیں گوارا تھا لیکن وہ دوسروں کے ہاں روشنی
دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے پونجی جمع نہیں
بلکہ خرچ کی اور ملی وسماجی ضرورتوں اور تقاضوں پر
صرف کی۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو حال یہ تھا
کہ ۳۵ سال تک ایوان پارلیمان کے اس ممبر کے
یہاں STD کی سہولت تک نہیں تھی۔ وہ اقبال
کے اس شعر کی عملی تفسیر تھے۔

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز

مسلم لیگ کے جس پودے کو
انہوں نے اپنے خون جگر سے سینچا اور اس زمانہ میں
سینچا جب اس پارٹی کا نام لینا ایک بڑا گناہ سمجھا
جاتا تھا، اس سے علیحدگی سے ان کے دل پر کیا کچھ
نہ بیتی ہوگی لیکن داد دیجئے، تعلقات کو ہر حال میں
استوار رکھنے کی ان کی اس ادا کی کہ وہ کہا کرتے
تھے کہ انڈین یونین مسلم لیگ اور نیشنل لیگ دونوں
ہی میری پارٹیاں ہیں اس لئے کہ دونوں کا مشن
ایک ہے۔ امور خارجہ کے وزیر مملکت جناب ای
احمد صاحب جب مسلم لیگ کے ٹکٹ سے کامیاب ہوئے
تو سیٹھ صاحب نے دیرینہ تعلقات کو نبھایا اور سیاسی
علیحدگی کو اہمیت دیئے بغیر دلی جا کر کیرالہ ہاؤس
میں انہیں مبارک باد پیش کی۔ پارٹی سے علیحدگی کی
سیٹھ صاحب کی بنیاد عند اللہ مسئولیت کا احساس تھا
پھر وہ دیرینہ رشتوں میں کیوں کر آڑے آتا۔

سیٹھ صاحب انسان دوست تھے،
انسانیت نواز تھے۔ مسلمانوں کے نقیب، اقلیتوں کی
آواز، ان کے حقوق کی بازیابی ان کا مقصد حیات!!
اس لئے وہ ہدف ملامت بھی بنتے رہے، لیکن ان
کی اس طویل سیاسی جدوجہد میں کوئی ایک ایسی
مثال نہیں پیش جا سکتی کہ انہوں نے دوسرے
مذاہب کی توہین کی ہو۔ تریوندرم میں ان کا قیام
اپنے غیر مسلم دوستوں کی رہائش گاہ پر ہوا کرتا
دراصل وہ اکرام انسان کے قائل تھے۔

دنیا کی بے ثباتی سب کو معلوم ہے لیکن
نیوی جاہ ومنصب اور اقتدار کی چمک دمک میں
اس کا استحضار آسان کام نہیں یہ خدا کی توفیق ہی تھی
کہ سیٹھ صاحب نے اسے عملاً کر دکھایا اپنے سرکار
کی امت کا غم وہ مرد خدا عمر بھر کھاتا رہا ظاہری اسباب
ن دنیا میں عارضہ قلب ان کی موت کا سبب بنا لیکن
وہ تو قدرت کے پاس سے وہ درد دل لائے تھے جس
وقرار واطمینان اپنے رب کے حضور حاضر ہونے
ہی میں ممکن تھا۔ اس پاک طینت، پاک دل و پاکباز
بندہ مومن کے نام انشاء اللہ جب بارگاہ ایزدی سے
پروانہ مراجعت آیا ہوگا اور اذن باریابی ہوا ہوگا تو
یا عجب کہ اس خوشخبری کے ساتھ کہ۔

یا ایتها النفس المطمئنة
ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة فادخلی
فی عبادی وادخلی جنتی

زبان حال سے ان کی کتاب زندگی ان
کے چاہنے والوں سے یہی مطالبہ کرتی دکھائی دیتی
ہے کہ۔

میرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
میرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
امنگیں میری، آرزوئیں میری
امیدیں میری، جستجوئیں میری
یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
میرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

اور

خاکی ونوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس سیاسی درویش وقلندر کی تربت کو خدا
سبحانہ رکھے اور آسماں اس مرد مومن کی لحد پر شبنم
افشانی کرے۔

☆☆☆☆☆

محترم حضرات! ملک کی جن فسطائی طاقتوں کو مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی تشخص گوارہ نہیں، وہ اسلام اور خاص کر اسلام کے عائلی قوانین اور خواتین سے متعلق احکام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں، اور اس کے لیے بعض خواتین تنظیموں کا استعمال بلکہ استحصال کیا جا رہا ہے، اس پس منظر میں یہ بات ضروری ہے کہ ہم مسلمانوں میں شریعت کے احکام اور ان کے مقاصد کا صحیح ادراک وشعور پیدا کریں، عورتوں کے بارے میں اسلام کی فراخدلانہ تعلیمات کو اُجاگر کریں، اور قانون شریعت کی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کو واقف کرائیں۔ ہم انھیں بتائیں کہ طلاق کی گنجائش رکھ کر عورتوں کو تحفظ دیا گیا، تاکہ طلاق کے ذریعہ اس سے زیادہ ناخوشگوار اور تکلیف دہ واقعات کو روکا جا سکے، تفریق کا اختیار عورت کو دینے کے بجائے عدالت کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ خاندانی نظام میں استحکام باقی رہے، ملاحدگی کے واقعات کم ہوں، مغربی ممالک میں جہاں طلاق کا اختیار عورتوں کے ہاتھ میں ہے وہاں طلاق کے واقعات کی کثرت ہے، اور طلاق کی شرح، نکاح کی شرح سے بڑھ گئی ہے۔

ہمیں اس بات کو واضح کرنا چاہئے کہ اسلام نے یقیناً ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے، لیکن یہ عدل سے مشروط ہے، اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا ہو، تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں۔ "وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة" (النساء:۳) اسلام میں ایسے تعدد ازدواج کی اجازت ہے جو ضرورت اور سنجیدہ فکر پر مبنی ہو اور جس کا مقصد محض پہلی بیوی کو ایذا پہنچانا نہ ہو، اگر سماجی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو بعض اوقات تعدد ازدواج خود عورت کے لیے باعث رحمت بن جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ پہلے رشتہ نکاح کو باقی رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ (حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی)

قارئین حضرات!

ملک کی صورت حال اس بات کو لازم قرار دے رہی ہے کہ انسان دوستی اور اسلام کے تعارف کا کام خوب کیا جائے۔

لہٰذا ہر اس شخص سے جو اسلام کے لیے دل رکھتا ہے اس سے التجا ہے کہ اس کام کو شروع کرے اور اس کی ابتدا مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ سے کرے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کتابوں کی تقسیم کا کام کرے۔ انشاء اللہ ہماری نیت پر اللہ تعالیٰ نتیجہ لائے گا۔

نبی-ے-رحمت	120/-	Muhammed: the last prophet	90/-	90/-	سیرت رسول اکرمؐ
آدرش شاسک	25/-	Storis of the prophet	55/-	20/-	مقام انسانیت
مانوتا کا ستر	20/-	Islam an introduction	40/-	25/-	پیام انسانیت
مانوتا کا سندیش	20/-	Islam and the world	120/-	40/-	اسلام کا تعارف
اسلام کا پریچے	20/-				
نبیوں کے قصے I-II	80/-				

ان تمام کتابوں پر جب کہ تقسیم کے لیے ہو اور ان کی تعداد پچاس سے کم نہ ہو۔ 50% رعایت۔

تعمیر حیات کے قارئین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ آرڈر بھیجیں۔

رابطہ کے لیے ہمارا پتہ

ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS P.O.BOX 119 NADWATUL ULAMA LUCKNOW -226007(INDIA)
PH: 0522-2741539 FAX: 2740806 MOB: 9335223411- Email nadwa@sancharnet.in

نوٹ: منی آرڈر/ ڈرافٹ اس نام سے ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS بھیجیں

آرڈر بھیجتے وقت اپنا تعمیر حیات خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

ممبئی کی مشہور و معروف مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص تیار کردہ لڈو۔
ودیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

بلاکس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
☎ ۲۳۰۸۲۷۷۳_۲۳۰۹۱۳۱۸

قنوج کے قدیم مشہور معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ عطریات، شمامۃ العنبر عطر گلاب، روح خس، عطر موتیا، عطر حنا، عطر گل، عطر کیوڑہ، اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔

ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں

محمد یسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی

آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج فون: 234445

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

☐ **برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول**

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا ــــــــ و

☐ **برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول**

سلطانیہ روڈ، ٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

☐ اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

☐ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی وناظم اعلیٰ)

فون: 0091-755-2543466, 2642715

روداد چمن

محی السنۃ کی وفات پر ندوہ میں تعزیتی جلسہ

محمد خالد ندوی سیوانی

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مسجد دارالعلوم میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جلسہ کا آغاز قرآن پاک کی دو آیتیں **یا ایتھا النفس المطمئنة..... وادخلی جنتی** ، سے ہوا، اس کے بعد مہتمم دارالعلوم ڈاکٹر مولانا سعید الرحمن صاحب ندوی مدظلہ العالی کا خطاب ہوا۔ جس میں مولانائے محترم نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تاریخ اسلام میں جو سب سے المناک و دردناک واقعہ پیش آیا، وہ **بنصہ** ﷺ کی وفات کا سانحہ تھا، اس واقعہ کا آپ سے صحابہ کرام پر بڑا اثر پڑا، پھر اللہ تبارک وتعالی نے اپنے پیغام کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کیا۔ اور انھوں نے اپنا تاریخی خطبہ دیا۔ **من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت ومن کان یعبد محمداً فانہ قدمات** ۔ اولیاء اللہ، اصحاب قلوب، اور بزرگان ملت کے سلسلہ کی ایک کڑی حضرت بھی تھے، جن کی نمایاں خصوصیت سنت کی اتباع تھی، سنت کی اتباع ان کے رگ و ریشہ میں بھی سرایت کر چکی تھی، انھوں نے ان سنتوں کو جو کہ تقریباً متروک ہو چکی تھیں زندہ کیا، ان کے فیض سے بہت سے لوگوں کی زندگی تبدیل ہو گئی، جس کا اندازہ جنازے کی نماز میں شرکت کرنے آئے ہوئے لوگوں کے چہروں پر رنج والم کے آثار اور حسرات سے ہو رہا تھا۔ میں نے حضرت کو دیکھا تو ان کا چہرہ نہایت ہی حسین، تر و تازہ اور مسکراتا ہوا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت کلام کرنا چاہتے ہوں اور ان میں زندگی کی رمق باقی ہو، ہم سب کو چاہئے کہ حضرت کی زندگی سے نصیحت حاصل کریں اور ان کے طریقہ کو اختیار کریں۔

اس کے بعد استاذ تفسیر مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی نے قرآن پاک کی آیت **وجوہ یومئذ مسفرة، ضاحکة مستبشرة** سے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ اور حضرت کی خوبیوں کا تذکرہ کیا۔ خاص طور پر حضرت کی دو خصوصیات کو بیان کیا۔ ایک تو سنت کی کامل اتباع، معمولی سنت جو مستحبات کے درجے کی ہی کیوں نہ ہو اور منکر کی تردید، جب کبھی کوئی خلاف شرع و سنت بات دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے تھے، اور ان کی گفتگو کے کلمات زائد نہ ہوتے تھے، اور نہ ہی کوئی بات فائدہ سے خالی ہوتی تھی۔ انتقال کے بعد ان کا چہرہ ایسا لگ رہا تھا جیسا کہ وہ مذکورہ آیت کی عملی تفسیر ہو۔

اس کے بعد معتمد تعلیمات حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی نے اپنے خطاب میں آیت کریمہ **یا ایتھا النفس المطمئنة** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ (**نفس مطمئنہ**) یعنی وہ نفس جو ہر طرح کی خلش اور افکار سے خالی ہو۔ اور وہ اللہ کی طرف مکمل تن متوجہ ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ اس آیت میں بڑے سے بڑے وعدہ کی بشارت بیان کر دی گئی ہے، اس میں خطاب کا نہایت ہی بلیغ و موثر اسلوب اختیار کیا گیا ہے (**الرجعی**) میں رجع کا لفظ استعمال کیا گیا کہ یہ لوٹنا ایک زندہ شخص کا لوٹنا ہے۔ (ربک) اپنے رب کی طرف، لفظ اللہ نہیں کہا گیا، یہ بتانے کے لیے کہ وہی رب ہے تمہارا اور سارے جہان کا۔ پھر آگے کا لفظ **عبادی**۔ یعنی میرے بندوں کے زمروں میں۔ لفظ عبادی میں نہایت ہی شفقت و محبت ہے کہ تم خاص ان لوگوں کے ساتھ رہو جو میرے بندے ہیں۔ جنت میں فاسق و فاجر سب داخل ہیں، لیکن میرا بندہ وہ کہ یہاں اس کی عظمت بیان کی اور نسبت اللہ تعالیٰ اپنا مقرب بندہ نہیں اس کے کیا کہنا! بڑے سے بڑا لقب، اعزاز و خطاب اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا کہ اللہ بندہ کو اپنا بندہ و اپنا بندہ کہے۔

آخر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کا خطاب ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت کی پوری زندگی سنت سے عبارت تھی۔ زندگی کے ہر کام میں سنت کی اتباع کرتے تھے۔ ان کے فیض سے بہت سارے لوگوں کی زندگی سنت کے مطابق ہو گئی اور ان کے خلفاء، جو کہ بہت سے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں، خصوصاً ہندوستان اور افریقہ سے۔ انھوں نے دین کا بہت کام کیا۔ یقیناً جب کوئی ولی یا بزرگ مرتا ہے تو لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ایک بہت بڑا خلا محسوس ہوتا ہے، ان کی وفات سے بھی مسلمانوں میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، ہمیں چاہئے کہ ان کی سیرت، ان کی اتباع سنت اور اخلاص و محبت اور تربیت کے ان طریقہ کو اپنی زندگی میں اتاریں اور اس کی اتباع کریں اور جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں تو اس طرح رخصت ہوں کہ جو آیت کریمہ **یا ایتھا النفس الخ** کے مطابق ہو اور ہر خاص و عام کی زبان پر ہمارے لیے دعا ہو۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جن بزرگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے حضرت اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔

آخری صفحہ

زندگی بھی دلکش و پیاری اور موت بھی حسین و قابلِ رشک

ایک مرد دانا نے کہا تھا

اوّل و آخر فنا، ظاہر و باطن فنا — نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات و دوام — جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

حق کی پکار بلند کرنے والی ایک آواز سدا کے لیے خاموش ہوگئی اور حضرت شاہ ابرار الحق صاحب حقی بھی دنیا سے رُخصت ہو گئے، موت برحق ہے اور حق کے حضور ایک نہ ایک دن سب کو جانا ہے، باقی رہنے والا نام اللہ کا ہے، البتہ وہ جو اقبال کہہ گیا کہ اس نقش میں رنگ ثبات و دوام ہوتا ہے جو کسی مرد خدا کے ہاتھوں تمام ہوتا ہے، تو حضرت شاہ صاحبؒ بھی دبستان تھانوی کی آخری یادگار تھے اور مردم ساز حکیم الامت کے روشن کردہ چراغوں کی آخری شمع تھے۔۔۔۔ چنانچہ ہردوئی کی سرزمین سے اُٹھنے والی اس شخصیت نے ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی اور توحید کا غلغلہ بلند کرنے اور ہر قسم کی ہر "دوئی" کو مٹانے کا بیڑہ اُٹھالیا تھا، چنانچہ ان کی موت ایک مصلح کی موت ہے، ایک ریفارمر کی موت ہے، کاروان حق کے قافلہ سالار کی موت ہے، شریعت کی پکار اور صدا بلند کرنے والے داعی کی موت ہے، دین کا غم کھانے والے کی موت ہے، دینی معاشرت کے ایک نقیب کی موت ہے، ایک ایسے روحانی مرشد و قائد کی موت ہے جس کا دل اس کے رب کی مٹھی میں تھا۔ جس نے ذکر و فکر سے اپنے دل کو دل بنالیا تھا، نتیجہ میں وہ زمان و مکان کی حدود سے بلند نکل کر ارض و سماوات سے بلند ہو کر رب کریم کے نور کی بدولت ایک چراغ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، خود جلتا رہا، پگھلتا رہا لیکن ظلمات میں نور بکھیرنے کا کام کرتا رہا۔۔۔ میکدہ غیب سے اسے وہ جام مطہا ہوا تھا جس کی مے آسمانوں سے اترتی ہے اور تفکرات کی دُنیا سے آزاد کر کے اسے نفس مطمئنہ بنا دیتی ہے۔

ہمارے مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے حالیہ اجلاس بھوپال میں اصلاح معاشرہ اور شریعت بیداری مہم کی ایک بار پھر صدا لگائی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ بھی اس کے مرد میدان ہی نہیں قافلہ سالار تھے، عملی میدانوں میں دیوانہ وار کوشاں رہے اور حکیم الامت کے اس گوہر شب چراغ نے اس کے لیے جو راستہ اپنایا وہ ایسی حکیمانہ تبلیغ کا راستہ تھا جو نتیجہ خیز اور بار آور ہوتا ہے۔ حضرت نے اُسے محدود پیمانے پر ہی سہی لیکن "مسلسل اور مستقل تبلیغ" کے اصول کو اپنایا اس کسان کی طرح جو ایک ہی زمین پر مسلسل محنت کر کے اسے قابل کاشت بنا دیتا ہے، ایک نظم کے تحت اس میں تخم ریزی کرتا ہے، نیتی کی سینچائی کی فکر کرتا ہے اور اس سے غفلت نہیں برتتا اور محنتوں کو اکارت نہ کرنے والے رب کے فضل کے طفیل ایک ایسی فصل لہلہا اُٹھتی ہے جس سے کسان سے دل کی کلی کھل اٹھتی ہے اگر کوئی شخص بہ نظر غائر حضرت شاہ صاحبؒ کے طریقۂ کار کو دیکھے، ان کے میدان کار کو دیکھے تو وہ گواہی دے گا کہ حضرت شاہ صاحب نے مستقل و مسلسل تبلیغ کے اصول کو اپنایا ۱۳۵۸ھ میں حکیم الامت مرشد تھانوی نے بیمار امت کے علاج کے لیے جو نظام عمل مجلس دعوۃ الحق کی صورت میں تجویز فرمایا تھا ان رہنما خطوط پر حضرت شاہ صاحب نے ۱۳۷۰ھ سے ہردوئی سے اس مجلس کے کام کا آغاز کیا اخلاص اور پابندی ان کے دوشبہر تھے، اپنے مریدین و مسترشدین کے حلقہ کو اس مشن کے لیے منتخب کیا ان کے دلوں میں عقائد کی پختگی، اعمال کی درستگی اور سنت پر عمل کے بیج بوئے، پھر تدریجاً دین و اخلاق کے اصول و کلیات سے فروعات اور تفصیلات کی طرف بڑھے، پند و نصیحت، حسن سلوک اور خبر گیری سے اس کی پیہم جد و جہد کرتے رہے کہ ان کا زیر اثر حلقہ مکمل اعتقادی، اخلاقی اور عملی انقلاب سے روشناس ہو جائے، رہا انقلاب تو وہ متعدی ہوتا ہے اور جغرافیائی حدود سے آشنا نہیں ہوتا چنانچہ اس کے اثرات دور دور تک پہنچے اور انشاء اللہ دیر تک قائم رہیں گے۔

شاہ صاحبؒ کی شخصیت ایک ہمہ جہت شخصیت تھی، ان کی ذات میں احیائے سنت کی کوششوں کے جمال کو بھی، یکھا جا سکتا تھا اور نہی عن المنکر کے لیے ان کے جلال کی جھلک کو بھی، ایک کامیاب مدبر و منتظم کی حکمت بھری شان بھی ان میں جلوہ گر تھی اور ایک مربی کی مشفقانہ ادائیں بھی، اصولوں کی پاسداری بھی اور کبھی حکمت کے تحت رعایت و مروت بھی۔۔۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے حلقہ میں ایک مکمل اخلاقی اور اعتقادی و عملی انقلاب بپا کرنے کے لیے جس مستقل و مسلسل حکیمانہ تبلیغ کے اصول کو اپنایا اس نے انھیں خدا کے در کے سائلوں اور قلندروں میں "شاہ" بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آخرت کے اس سچے مسافر کو لازوال نعمتوں سے نوازے اور ان کی اس فکر کو عام کرے جو ان کی متاع اور پونجی تھی۔

کس قدر مبارک اور بامقصد تھی اُن کی زندگی! مکاتب کے اجرا کی فکر، کلام پاک، اذان، اقامت اور نماز ان سب کی صحیح ادائیگی کے لیے کڑھن! احیاء سنت کے لیے درد اور تڑپ اور ان کے موافق عمل کا داعیہ پیدا ہو جانے کی آرزو و تمنا! مساجد اور ان کو آباد کرنے کی اُمنگ! دینی و اصلاحی "مغلظات، کتابچوں اور کتابوں کی تقسیم کے ذریعہ اصلاح کی دھن! ضرورتمند عامۃ المسلمین کی دینی ضروریات و کاموں میں اعانت کا جذبہ!! غرضیکہ زبان و قلم، دولت و ثروت، قوت و توانائی صلاحیت و وسائل سب کچھ دین کے لیے وقف! بلکہ ساری زندگی اسی مقصد پر نثار و قربان!! اور موت بھی آئی تو کتنی حسین! جسد خاکی سے روح پرواز ہوئی تو اتنی آسانی سے گویا گوندھے ہوئے آٹے سے کسی نے بال نکال لیا ہو! سچ مچ جانے والے کی زندگی بھی کتنی دلکش و پیاری تھی اور موت بھی کس قدر حسین و قابل رشک!!

Phone : 0522-2255257
IZHARSON PERFUMERS
اظہارسن پرفیومرس
لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ،
عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دکان
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ ۳
تیار کردہ
Izharson Perfumers
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003
E-mail : izharsonperfumers @yahoo.com

اپنی نوعیت کی ایک منفرد سہ لسانی لغت
"انگریزی، عربی، اور اردو ڈکشنری"
(تین جلدوں میں)
سنگم
از : جناب حکیم عزیز الرحمٰن الاعظمی
جس میں ہر ہر انگریزی حرف سے بننے والے بیشمار الفاظ و مشتقات ابجدی ترتیب سے درج کر کے ان کے متبادل اور ہم معنی عربی اور اردو میں مستعمل الفاظ لکھے ہیں۔
تحقیق و تصنیف اور ترجمہ کا کام کرنے والوں کے لئے
ایک نادر و نایاب تحفہ
فی جلد =/200 روپے -- کل صفحات 2278
ناشر : مکتبہ فردوس، مکارم نگر، بریلی، نیگور مارگ، لکھنؤ ۲۲۶۰۲۰

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow
Phone : 2618636, 2258506
Mobile : 9415001207

ہردینا
• عزۃ مثانہ کی تقویت، فقہ
• یرقان میں راحت، حرکت الدم
• جنات کے لئے
بحساس مفید ہے۔

صبا کا آملہ
بالوں کا بہترین محافظ

حسنی فارمیسی
(2)(O) 2202677 , M : 94150 28575, 941505047

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
menmark
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (S)2616946, (R)2627443